# درویشِ بے کُلاہ

(تصوّف پر ایک بحث)



شہزاد منیر احمد

5111

# درویشِ بے کُلاہ

(تصوف پر ایک بحث)

شہزاد منیر احمد

شاد پبلی کیشنز

رستم جی لین جناح روڈ کوئٹہ۔

کتاب کا نام --------- درویش بے کلاہ

مصنف کا نام -------- گروپ کیپٹن شہزاد منیر احمد (ریٹائرڈ)

سال اشاعت --------- 2006ء

تعداد ---------- 500

پبلشرز ---------- شاد پبلی کیشنز کوئٹہ

پرنٹرز ---------- قلات پریس کوئٹہ

قیمت ---------- -/180 روپے

سول ایجنٹ

قلات پبلشرز کوئٹہ

رستم جی لین جناح روڈ کوئٹہ

فون نمبر۔ 2827252

# ترتیب مضامین

# ترتیب مضامین

# انتساب

شاہراہِ تصوف پر چلنے والے لوگوں کے ہجوم میں دو طرح کے لوگ ملتے ہیں ایک وہ جو اپنے اس رَبُّ العالمین (جس نے انہیں بہت سارے ناموں والے ایک قطرے سے پیدا کرکے عدم سے وجود میں لایا) کے حکم کے مطابق چلتے ہیں جس نے انہیں لکھنا پڑھنا سکھایا اور وہ وہ علم عطا کیا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے لہذا یہ لوگ داہنے ہاتھ میں قرآن اور اپنے بائیں ہاتھ میں شریعت رسول اللہ ﷺ تھامے حصولِ مقصد تک جیتے رہتے ہیں یہی لوگ اپنے رب۔ کے ہاں عزت وفلاح پانے والے ہوتے ہیں۔

دوسرے وہ لوگ جو شاہراہِ تصوف پر چلتے چلتے اپنے ضعیف ارادوں کی وجہ سے اپنی صحیح سمت کھو کر چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیوں پر چل نکلتے ہیں اور پھر حقیقی منزل سے بہت پہلے ہی کسی مرحلہ پر مل جانے والی جسمانی لذت شہرت یا شخصی تعریف ہی کو اپنا مقصد سمجھ کر بڑے خلوص اور عقیدت سے کسی خوش فہمی کے سراب کو عبور کرتے ہوئے اس امید پر زندگی گزارتے ہیں کہ حقیقت کا کلاہ پہننے میں تھوڑا ہی وقت رہ گیا ہے۔ یہ دوسری قسم کے لوگ صرف دنیا میں ہی تعریف وشہرت پاتے ہیں عزت وفلاح ان کا مقدر نہیں ہوا کرتی۔

میں اس کتاب کو مذکورہ بالا اوّل الذکر طائفہ شیوخ سے شیخ وصوفی حضرت سید محمد نقیب اللہ شاہ حسنیؒ۔ جہانگیری وقادری کے نام کرتا ہوں جنہوں نے راقم کو فلاح و بقاء کا امتیاز بھی بتایا اور انہیں پانے کا راز بھی۔

مصنف

# پیش لفظ

انسان جب اپنے تخلیقی مراحل سے گزر کر کمال حاصل کر لیتا ہے تو اسے پھر آدمیت کیطرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ یوں وہ عالمِ موجودات میں پیدا ہو کر اپنے نئے سفر کا آغاز بحثیت آدمی کرتا ہے۔ اپنی پیدائش سے لے کر شعور کے ابتدائی دنوں تک کے دوران اس کے سارے جسمانی اعضاء مکمل طور پر فطرت کے اصولوں کی گرفت میں ہوتے ہیں۔ وہ جسم و جان رکھنے کے باوجود اپنی ساری طبعی ضرورتوں کیلئے ماحول کا محتاج ہوتا ہے اور وقت کا منتظر۔ مثلاً والدین اور دیگر لوگوں کے چاہنے کے باوجود بچہ ایک خاص عمر کو پہنچنے سے پہلے نہ بول سکتا ہے نہ چل سکتا ہے۔

اس محتاجی کیوجہ سے آدمی کی ابتدائی زندگی کا حصہ انسانیت کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔ گویا محتاجی کی زندگی ہی انسانیت کی زندگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راہ فقر اور سلوک کی منزلیں طے کرنے والے محتاجی کو خود اختیار کرتے ہیں باوجودیکہ اُن کے پاس آرام دہ زندگی گذارنے کیلئے سارے وسائل موجود ہوتے ہیں مگر وہ انہیں اپنے ذاتی استعمال میں نہیں لاتے۔ شعوری زندگی کی ابتداء سے لیکر مرنے تک کے عرصے میں آدمی اپنے جسمانی اعضاء اور فیصلوں سے جو کچھ بھی پاتا ہے وہ سب کچھ آدمی کی شخصیت ہوتی ہے۔ اس طرح آدمیت اور شخصیت کے اشتراک سے قائم ہونے والی زندگی جب (عالم موجودات میں موت کے آنے پر) تکمیل پاتی ہے تو اسے پھر انسان کی زندگی کیطرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ یہی وہ مقام اور نکتہ ہے جسے اہل فکر اور صاحب فقر فنا و بقا کہہ کر پکارتے ہیں کہ ایک حشیت کی تکمیل (فنا) ہی دوسری حشیت کی ابتداء (بقا) ہے۔

اسی فلسفہ کو حسن عسکری یوں لکھتے ہیں۔ ''سمجھ میں نہیں آتا کوئی مسافر آخر میں اپنی منزل پر پہنچتا ہے یا منزل کیطرف لوٹتا ہے'' ہر مسافر کی منزل اس کے نقطہ آغاز میں پوشیدہ ہوتی ہے جبھی تو یہ کہا جاتا ہے کہ عروج کی ساری چوٹیاں حقیقت میں ابتداء

ہی کی گلیاں ہوتی ہیں ۔فرق صرف فاصلوں کا ہوتا ہے ۔ جو منظر بنکر نظر آتا ہے ۔ مطالعہ اور مشاہدہ کی سچی اور آخری تصویر وہی ہوتی ہے جو کسی تحریر میں نظر آتی ہے ۔

**Death of Individual is True Birth of Man**

بھلے آدمی صدیوں اس عالم موجودات میں جی لے انجام کار وہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُو بَلٰی کے زمانے ہی میں پہنچ جائے گا جہاں یہ کہے بغیر نہیں بنے گی کہ ہاں "اللہ تو بلا شک ہمارا رب ہے"۔اس لئے کہا گیا ہے کہ

بس کہ مشکل ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

(غالب)

ہم اپنے ہستی کیلئے صرف اسی ذات واحد کے محتاج ہیں ہمیں اس تعلق کا کھوج لگانا ہے جو خالق کو مخلوق سے ہے اور جس کے بغیر مخلوق کی ہستی ممکن ہی نہیں ۔وہ ہمارے رگ و جان سے بھی قریب ہے۔(سورۃ ق 16 )انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل بھی (سورۃ انفال 21) ہماری ذات، ہمارا ہونا، ہماری خودی، ہمارا وجود سب کچھ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے یوں ہمیں اپنی ذات کی حفاظت بھی درکار ہے اس زندگی کے گزارنے کے بعد مطلوبہ بقاء اور فلاح بھی ہمارا حق نہیں بن جائے گا وہ بھی ذات الٰہیہ کا انعام ہی ہوگا۔انعامات مانگے نہیں جاتے یہ عطا ہوتے ہیں ۔

ایسی ہی سوچوں میں گم رہ کر میں نے اپنے تجربات ،مشاہدات اور کئی صوفیاء وفقراء سے گفتگو کے نتیجے میں جو کچھ دیکھا، سنا اور پایا اسے میں دوسرے لوگوں کیلئے قلمبند کرتا رہا۔ جو پیش خدمت ہے

## تلاش

شعور کی جس عمر میں باتیں یاد رہ جاتی ہیں اس عمر میں جب بھی میں نے صبح سویرے آنکھ کھولی تو گھر کے کھلے کھلے صحن میں بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھے اپنی ماں کو

قرآنِ پاک پڑھتے ہوئے ہی دیکھا۔ والد صاحب . کہ ہر نماز مسجد میں جا کر پڑھتے اور صبح نماز کے بعد سیدھے گھر آ کر ہمارے منہ سر پر پھونک مار کر جگاتے ۔ بڑے بھائی ؛ کہ سکول میں Morning Assembly میں پڑھی جانے والی سورتیں یاد کرتے تھے ۔ اور بہن تو گویا گاؤں کی لڑکیوں کی مذہبی لیڈر تھیں کہ گاؤں بھر میں عید میلاد النبی ، شب برات ، نمازِ تراویح یا ختم القرآن شریف کی ساری تقریبات اس کے مشورے سے منعقد ہوتی تھیں ۔ یہ تھا وہ گھریلو ماحول جس میں میں نے آنکھ کھولی ۔

ہمارے گھر میں ہمارے کنبے کے افراد کے علاوہ بھی ایک فرد رہتا تھا اور وہ تھا "اللہ میاں" ۔ ہمارے کھلیانوں سے غلّہ گھر آتا تھا تو اللہ میاں لیکر آتا تھا۔ گائے بھینس مر جاتی تو وہ بھی اللہ میاں ہی لے جاتا ۔ کھیت کو آگ لگ جانے کیوجہ سے ہماری پکی ہوئی گندم بھی اللہ میاں ہی لے جاتا تھا اور دھان کی خوبصورت لہلہاتی فصلیں بھی اللہ میاں ہی تیار کرتا تھا۔ غرضیکہ ہر کام ہمارا اللہ میاں ہی کرتا تھا اسلئے ہم لوگ اس اللہ میاں سے بہت ہی خوش تھے ۔ چاروں طرف سے ہمارے گاؤں کو اللہ میاں نے گھیر رکھا تھا۔ کسی غلطی ہونے پر ''اللہ میاں مارے گا اللہ میاں گناہ دے گا'' کے جملے لوگ ادا کرتے ہوئے ملتے ۔ ہمارے گھر یا گاؤں میں سب سے طاقتور اگر کوئی تھا تو وہ اللہ میاں تھا جس سے سب لوگ ڈرتے تھے ۔

اللہ کا یہ تصور تھا۔ جو بچپن سے میرے دل میں ایسا بیٹھا کہ آج تک قائم ہے ہر محرومی اور ہر یافت پر اللہ میرے ساتھ ہوتا ہے ۔

بچپن میں لفظ ''روحانی'' نہ سنا نہ اس کے معنی و مفہوم جاننے کی ضرورت محسوس کی ہاں ! گاؤں میں ملنگ بابا۔ سائیں صاحب یا شاہ جی لوگ رہتے تھے جو سالانہ پنڈارہ اور عرس منایا کرتے تھے ۔ مگر وہاں بھی نہ تو کوئی علمی نشست ہوا کرتی نہ فقہی مسئلہ پر گفتگو ہوتی اور نہ قرآنی تعلیمات کا ذکر سوائے لوگوں کو کھانا کھلانے کے ۔ کچے گھروں میں پکی عادتوں کے ساتھ جینے والے سادہ سچے لوگ بڑی عقیدت اور بے قراری سے ان پنڈاروں اور عرسوں کا انتظار کرتے تھے ۔ کیونکہ یہ ان کے مذہب کا حصہ تھا شاید دین بھی ۔

یہ تھا ماحولیاتی اثر جو میں اپنے گھر اور گرد و نواح سے لیکر روزگار کے سلسلے میں

دوسرے شہروں میں پہنچا۔ میں ایسے لوگوں کے ہاں بڑے اہتمام کیساتھ پہنچتا جو ملنگ بابا سائیں صاحب یا شاہ جی کے ناموں سے پہچانے جاتے تھے۔ میں وہاں ان کی باتیں سنتا ان کے رویے دیکھتا اوران کے عقیدت مند بھی وہاں مجھے سب کچھ دیکھنے کو ملتا مگر پیر کامل جسکا سب سے زیادہ تذکرہ سننے کو ملتا وہ نظر نہیں آتا تھا۔ پیر کامل کی تلاش و یافت کے سلسلے میں میرا تجسس بڑھتا چلا گیا۔

تلاشِ حق کے اس طویل سفر میں ایک دن وہ مجھے مل گیا لیکن پھر غائب ہو گیا مجھے نہیں معلوم اس دن وہ کب میرے کمرے میں داخل ہوا مگر آہٹ سے جب میرے آنکھ کھلی تو اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا ایسی بے وقت کی خواب پسندی سے نہ تو اپنی ہی ذات کے اعتماد پر پورا اترنے میں کوئی مدد ملتی ہے اور نہ عہد الست کی پاسداری میں۔ میں شرم کے مارے اٹھکر بیٹھ گیا۔ وہ بولا رب سے جدا جدا رہ کر خود کو یوں سہولتوں میں پال پال کر نہ تو کوئی بقاء پا رہے ہو اور نہ فلاح بلکہ خود کو تباہ کر رہے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ میں مٹنا نہیں چاہتا۔ مجھے راہ مستقیم دکھاؤ کہ بقاء وفلاح میرا مقدر بن جائے۔ اس نے جواباً کہا۔ تم نے کبھی برف کو اپنے اصل سے جدائی کے احساس میں احتجاجاً خودکشی کرتے دیکھا ہے پھر وہ مجھے برآمدے میں لے آیا۔ اور گھر کے صحن میں اُگے ہوئے چنار کے پتوں سے سرکتی ہوئی برف کو زمین پر گرنے سے پہلے ہی ہوا میں تحلیل ہو کر گم ہونیوالے منظر کیطرف اشارہ کر کے بولا یہ ہے رفاقتوں اور قربتوں میں کیئے ہوئے وعدوں کی پاسداری میں فنا ہونے کا عملی نمونہ۔ یاد رکھو ایسی ہی فنا میں بقاء پوشیدہ ہے۔ تم ہو کہ اپنے عہد کو بھول کر محوخرام ہو کر چاہ رہے ہو کہ فلاح دوام مل جائے۔ اسطرح تو ایسا ممکن نہیں۔ میں نے اس کی باتوں پر عمل کرنے کا وعدہ کر لیا۔

تلاش حق اور حقیقت کا جینا آج بھی زندہ ہے۔ پچھلے چالیس سالوں میں ملک بھر کے مسلمہ آستانوں، مانی ہوئی خانقاہوں اور مصروف مزاروں پر حاضر ہو کر وہاں قیام کر کے سجادہ نشینوں کی گفتگو وہاں پر موجود و جاری نظام تعلیم اور طرز عمل سے مستفیض ہوا ہوں۔ مجھے وہاں پر مریدین کی اکثریت رسموں کی ادائیگی میں مصروف روایتی قصہ خوانیوں میں جیتے ہوئے ملی۔ بہت ہی کم تعداد میں وہ لوگ ملے جن کی مومنانہ فراست سے گویا روشی ملی۔

سجادہ نشینوں کی اکثریت علم وعمل کی خوشبو سے خالی اور رونا یہ روتے ہوئے ملی کہ مریدین میں وہ پہلی سی تڑپ نہیں رہی۔ حالانکہ یہ مسند نشین خود میراث میں ملنے والے جوہر کو گنوا کر ''زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کا نشیمن'' والا منظر پیش کرتے ہوئے دیکھے گئے۔

کسی بھی زاویہ نگاہ یا عملی اعتبار سے میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں راہ سلوک کا مسافر ہوں۔ البتہ روحانی شخصیتوں کے دعوؤں کی حقیقت جاننا۔ اُن کے فقر وغناء اور استغناء۔ ان کا ثقافتی ومعاشرتی رہن سہن اور زائرین سے روا رکھا جانے والا سلوک ورویہ میری توجہ کا مرکز ضرور ہوتے ہیں اور اس کا اعلان بھی بلند آواز میں کرتا ہوں۔ کیونکہ میں جاہلانہ عقیدت کیساتھ انہیں نہیں ملتا بلکہ مومن کی سی فراست کیساتھ ان سے وابستگی رکھتا ہوں میں ان کے آستانوں اور خانقاہوں پر دی جانے والی تعلیم کے نتیجے میں پھیلنے والی تعلیم اور کلچر کو قرآن اور سنت اور شریعت رسول کی کسوٹی پر پرکھ کر اپنانے یا انہیں مسترد کرنے کے بارے میں اپنی رائے قائم کرتا ہوں کہ یہ لوگ راہ فقر کے مسافر ہیں۔ طالبان حق ہیں یا سہل پرستوں کا گروہ جو زندگی کی مشقتوں سے بھاگ کر آستانوں اور خانقاہوں کی روحانی عظمتوں کو بٹہ لگا رہے ہیں۔

میں نے اپنے تجربات مشاہدات اور روحانی کیفیتوں میں پائی جانے والی سچائیوں اور حقیقتوں کا اظہار کر دیا ہے جن سے اتفاق کرنا یا اختلاف رکھنا آپ کا حق ہے راہ تصوّف کے مرحلوں کی پرکھ کا وہ معیار (قرآن وشریعت) جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے اگر طالبان حق وتصوّف اپنا لیں تو یقیناً وہ اپنی اسی منزل پر پہنچیں گے جس کے لئے وہ گھر سے نکلے ہیں بصورت دیگر دستار فضیلت اور کُلاہ شریف ہی مقدر ہوگا تصوّف کے اسرار اور حقائق نہیں مل پائیں گے۔

میں پوری ذمہ داری سے لکھ رہا ہوں کہ نظام خانقاہی ایک انتہائی موثر بے ضرر اور بہترین نظام تعلیم اور طرز زندگی ہے شرط یہ ہے کہ خانقاہ ہو یا آستانہ عالیہ وہاں کا سجادہ نشین یہ نہ بھولے کہ وہ ایک اسلامی درسگاہ کا متولی ہے جسے اپنے ارادت مندوں کو معرفت ونگاہ کے جوہر سے نوازنا ہے۔ وہ اپنے فرائض کو اسی جذبہ دردا ورعمل سے ادا کرے جو ابتدائے زمانہ اسلام کی عظیم درسگاہوں میں دیکھنے کو ملتا تھا اور لوگ جوق در جوق

وہاں حاضری دے کر فیض یاب ہوتے تھے۔ خدمت مخلوق خدا اصفیاء وفقرا کا طرہ امتیاز تھا سجادہ نشین خود کو مقدس ومخدوم سمجھنا چھوڑ کر زائرین وعقیدت مندوں کا خادم بنکر جئے تو۔

آخر میں اپنے دوستوں کا اس سلسلے میں شکریہ ادا نہ کروں تو یہ میری طرف سے گستاخی ہوگی۔ میرے سارے دوستوں میں جنہوں نے اس کتاب کو آپ تک پہنچانے میں میرے ساتھ تعاون کیا ان میں جناب اعظم کانسی صاحب اور جناب سہیل خان کوئٹہ سرفہرست ہیں جنہوں نے رضا کارانہ طور پر شروع سے آخر تک میرا ساتھ دیا۔ میں سب کا مشکور ہوں۔

اس مرحلے پر میں سارے اہل فکر۔ صاحب علم۔ صاحب حال ومقام فقراء و اصفیاء اکرام۔ زاہدین وصالحین کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھ جیسے بے علم اور کم کوش شخص کو اپنی قربتوں اور اپنی گفتگو سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر سے نوازے اور مجھے بھی اپنے ہدایت یافتہ لوگوں میں شمار کر کے اُس مردمومن کی راہنمائی ہی میں رکھے تاکہ میں انسانی نفسانی اور شیطانی وسوسوں کے شر سے محفوظ رہ کر خود کو اتباعِ شیخ عشقِ رسول اور اسم اللہ کے نور ہی سے اپنے قلب ونگاہ کو منور پاؤں۔

مصنّف

کیا میری بات سنیں گے صاجزادگان کبیر
گلیم پوش ہوں میں صاحبِ کلاہ نہیں

(اقبال)

13

# حکایت

جس دن میں مرا اسی دن میری ماں حج کر کے لوٹی تھیں ارضِ مقدس یعنی مکہ اور مدینہ سے لائے ہوئے ماں کے تبرکات کے ساتھ مجھے دفن کر دیا گیا۔ قبر میں پہنچنے کے ساتھ ہی میں نے سارے تبرکات کو سامنے رکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء اور رحمت العالمین کی امت میں پیدا کیا اور طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا۔ کائنات کے رب کے نام سے ابھی میں نے آب زم زم پینے کے لیئے پیالہ اٹھایا ہی تھا کہ فرشتے آ گئے۔ مجھ سے سوال کیا کہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا حسبِ معمول حجاز مقدس سے وابستہ ہر چیز کو چوم چوم کر استعمال کر رہا ہوں۔ ایک فرشتہ بولا کہ اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے دوبارہ عرض کیا یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ اس سے کیا ہوتا ہے میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ یہ ارض مقدس سے آئی ہیں اور میرے اللہ کیطرف سے بھیجی ہوئی نعمتیں ہیں جن کیلیئے اللہ کا شکر ادا کرنا میرے اوپر واجب ہے۔ اور پھر میں تو عمر بھر تخیل کے بیچ میں ہی جیتا رہا ہوں مثلاً میں نے کہیں بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہ تھا مگر اسی یقین کے ساتھ اس کی عبادت کرتا رہا کہ وہ ہر جگہ ہر وقت اور ہر حال میں میرے ساتھ موجود ہے۔ میں نے رسول اللہ کو نہیں دیکھا تھا مگر اسی یقین کے ساتھ اس کی لائی ہوئی کتاب اور دی ہوئی شریعت پر عمل کرتا رہا کہ اس کی اتباع ہی میرے لئے اصل عبادت اللہ ہے۔ خانہ کعبہ کے غلاف کے ٹکڑوں کو چوم چوم کر بصارت اور بصیرت کی دعا کرتا رہا ہوں کہ ایسی دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں میں ''محمدؐ'' کا نام سن کر اپنی ہی میلی انگلیوں کو چوم چوم کر تصور میں ''محمدؐ'' کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے سرور پاتا رہا ہوں۔

غرض یہ کہ میں اپنی ساری عمر تخیل کے بیچ ہی میں جیا ہوں۔

میری آنکھوں سے آنسو اور زبان سے الفاظ بہے جا رہے تھے کہ اتنے میں ایک بزرگ فرشتہ وہاں آیا جس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت طشتری تھی۔ فرشتوں نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ تو بزرگ فرشتہ کہنے لگا کہ یہ اللہ پاک نے اپنے پیارے نبی سے محبت کرنے

کے صلہ میں اس شخص کے لیئے اپنی رحمتیں بطور تحفہ بھجوائیں ہیں سب فرشتوں نے یک زبان ہو کر مبارک باد کہتے ہوئے کہا ''محمد ﷺ'' خاتم المرسلین سے محبت کا یہی سب سے بڑا انعام ہے کہ اللہ پاک جو رب کائنات ہے تم سے خوش ہوا۔

# تصوف

۱۔ ایک صاحب حال کے الفاظ میں تصوّف مختلف سمتوں سے ہوکرایک مقام ومنزل پرختم ہونے والی دوالگ الگ شاہراہیں ہیں۔ایک دوسرے صاحب مقام درویش کی دی ہوئی تعریف کے مطابق تصوف ایک سرسبز وشاداب ٹہنی پر دوخوبصورت اورخوش رنگ پھولوں کیطرح ہے جن کی رنگت اورخوشبوبھی الگ الگ ہے۔ایک اورفقیر کے قریب تصوّف حق کی تلاش میں نکلنے والے مسافر کی اُن کوششوں کا نام ہے جو وہ راہ سلوک میں حصول مقصد کیلئے کرتا ہے۔لہذااس تعریف کے اعتبار سے تصوّف نام ہےایک طرز زندگی کا۔بحثیت خودتصوّف کچھ بھی نہیں۔نہ یہ علم ہے نہ کوئی ایجاد نہ یہ دریافت ہےاور نہ کوئی انکشاف۔

مختلف ادوار میں تصوّف کی بیان کردہ تعریفوں ۔تاریخی کھوج کاری اور مآخذین تصوّف کی رو سے یہ ایک مخصوص طرز زندگی کے نتیجے میں حاصل ہونے والا گویا مشاہدہ ہے۔

۲۔ صوفیانہ طرز زندگی اپنانے والےلوگ تو ہردور میں گذرے ہیں البتہ لفظ صوفی کی اصطلاح حضوراکرمﷺ کے انتقال کےتقریباًڈیڑھ سوسال بعد سننے میں آئی۔کیونکہ رسول اللہﷺ کے زمانے میں مومن کےمتعلق لفظ صحابی استعمال ہوتا تھااوراس لفظ کی شنید ان لوگوں کوخوشی بخشتی تھی اوروہ اپنے بارے میں یہ اصطلاح سن کرچین پاتے اورگویا فخر محسوس کرتے تھے۔رسول اللہؐ کی محفلوں میں بیٹھنے والےلوگ اوردین اسلام کی تعلیم پانے والے تابعین کہلائے اورتابعین سےفیض پانے والے تبع تابعین پھر جب اسلام مزید پھیلا اورطرح طرح کا ثقافتی پس منظر رکھنے والےلوگ اسلام میں داخل ہوئے تو وہ لوگ جنہوں نے زندگی کواسلام کے لئے وقف کرتے ہوئے زیادہ انہماک سے کام لیا تو وہ زاہداورعابد کہے جانے لگے پھراور کچھ باتیں اسلام میں شامل کی گئیں تو ہر طبقہ خودکو ہی سچا اوراصلی مسلمان زاہد،عابد ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے سامنے آیا یوں اُس طبقہ کیلئے جوسنتِ رسولﷺ کی پیروی کرتے ہوئے ذکرالٰہی میں مشغول رہتااوردنیا سےکوئی دلچسپی نہ رکھتا تھا کے

لئے ''اہل تصوف'' کی اصطلاح استعمال ہونے لگی۔ سب سے پہلا شخص جسے صوفی کا لقب دیا گیا، وہ ابو ہاشم کوفی (وفات ۱۶۱ھ) تھا ایک اور کتاب ''تہمیدات'' جو شیخ عین القضاۃ ہمدانی نے لکھی ہے میں سب سے پہلے صوفی کا لقب پانے والے بغداد کے بزرگ عبدک الصوفی کو صوفی قرار دیا ہے اسی دور کے دیگر جید اصفیاء حضرت فضیل بن عباس، حضرت ابراہیم ادہم، حضرت معروف کرخی اور شفیق بلخی قابل ذکر ہیں۔

۳۔ تصوف اور صوفی دونوں اصطلاحیں دوسری صدی ھجری (160ھ) کے وسط میں منظر عام پر آئیں۔ جب اسلام پھیلا ور مسلمانوں کی تعداد بڑھنے کیساتھ ساتھ ادائیگی شریعت پر اختلاف اٹھنے لگا تھا۔ علماء دین کے سامنے اصفیاء حضرات زیادہ معتبر سمجھے جاتے تھے۔ اور اصفیاء لوگ علمائے دین کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ یک جہتی، باہمی محبت اور رواداری مفقود ہوتی چلی گئی۔ آج صوفی اور ملا خواہ مخواہ خود کو ایک دوسرے کا حریف بنائے ہوئے ہیں حالانکہ جسطرح اوپر ذکر کیا گیا مقام ومنزل دونوں کا ایک ہی ہے ہاں راہیں مختلف ضرور ہیں۔

آج دونوں اپنی سمتوں کو کھو بیٹھے ہیں جس کا اعتراف کرنے کو دونوں تیار نہیں حالانکہ برسوں پہلے ایک صوفی صاحب نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ
(اقبال)

۴۔ دنیائے تصوف میں لفظ ''کیوں''..... ایک تجسس انگیز اور جواب طلب لفظ ہے جو راہ سلوک کی ساری شاہراہوں اور پگڈنڈیوں پر چلنے والوں کی بنیادی ضرورت ہے۔ جو لوگ اسے استعمال کرتے ہیں اور جواب پانے کے بعد اسی مناسبت سے اپنے طرز عمل میں تبدیلی بھی لاتے ہیں تو وہ لوگ فقر کی دنیا میں کامیاب اور سچے لوگ کہلاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم نے چاند، تاروں اور سورج کو ان کی غیر معمولی حیثیت میں دیکھ کر جب انہیں اپنا رب مانا تو لفظ کیوں نے ہی انہیں اصلیت سے آگاہ کر کے راہِ ہدایت کی نشاندہی کی تھی۔ وہ یہ کہ سورج، چاند، تارے تو غروب ہو جاتے ہیں لہٰذا چاند، تارے اور سورج کے غروب ہو جانے کے عمل نے حضرت ابراہیم کو اس لفظ ''کیوں'' کے احساس نے سوچنے پر مجبور کیا کہ جو چیز فنا ہو جائے اسے رب نہیں مانا جا سکتا۔ رب کو تو ازلی و ابدی ہونا چاہیے جو نہ خائف ہو نہ ضعیف، یعنی رب کو اپنی کائنات کو کوئی زبان و رزق دینے کے عمل میں مکمل بے تعصب و بے نیاز ہونا چاہیے۔ اس" کیوں" کو عمل میں لانے سے انہوں نے بالاخر اپنے غیر فانی اللہ کو پالیا۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ، پاکیزہ اور راسخ پیامبر کہلائے اور ان کا رب ان پر اتنا مہربان ہوا کہ آئندہ کے لئے نبوت صرف انہی کی ذریّت یعنی اولادوں کے لئے مخصوص و مقرر کر کے رکھ دی۔

کوئی بھی شخص جو اپنے حالات کا جائزہ لیتا ہے اور پھر خود سے سوال کرتا ہے کہ ایسا کیوں ہے۔؟ پھر اس کا جواب بھی پالے تو وہی فرد کامیاب ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ایک پیرِ کامل اپنے مریدوں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اس سے انسانی زندگی کے متعلق سوال کریں اور سوچیں کہ پیر اپنے مریدوں سے کیسے اور کیوں بہتر ہوتا ہے اور کیسے اس اعلیٰ تعظیم کا حق دار ٹھہرا ہے غرض یہ کہ وہ اتنی عقل و دانش رکھتے ہوں کہ وہ کہہ سکیں۔

ہم کو تو میسّر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

(اقبال)

۵۔ صوفی کو یہ آفاقی سچائی نہ تو خود بھولنی چاہیے کہ ''علم سوال سے پیدا ہوتا ہے'' اور نہ ہی یہ جذبہ و احساس اپنے مریدین یا حلقہ گفتگو میں شامل دیگر حاضرین سے ختم ہونے دینا چاہئیے اس لئے کہ جہاں علم کم ہوتا ہے وہاں مکالمہ یعنی ڈائیلاگ نہیں بستے اور پھر جس

معاشرے میں گفتگو اور مکالمہ نہ ہو وہاں نہ علم پھلتا پھولتا ہے اور نہ ہی وہ معاشرہ اِس طرح لوگ چھوٹے چھوٹے جوہڑوں میں جمع گندے پانی کی طرح ہو کر رہ جاتے ہیں جہاں سوائے مچھر، بدبو، تعفن اور طرح طرح کی بیماریوں کے اور کچھ نہیں ہوتا اور آخر کار معاشرہ موت کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ سے بڑھ کر عاشق رسول اور اسلامی مجاہد کون ہوگا۔ لیکن کیا یہ وقت کی سچائی اور تاریخ کی اصلیت نہیں کہ ایک عام مسلمان بھی کھڑے ہو کر اُن سے یہ سوال کر دیتا ہے کہ بیت المال سے ملنے والے کپڑے سے ہمارا لباس نہیں بن سکا آپ کا مکمل لباس کیسے اس کپڑے کے ٹکڑے سے بن گیا۔ تو صحابیؓ و عاشق رسول اور خلیفہ نے کمال تحمل اور سنجیدگی سے اس کو اپنے بیٹے سے تسلی بخش جواب دلوایا ایک اور موقع پر حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا لوگو اگر میں دنیا کیطرف جھک جاؤں تو کیا کرو گے۔ یہ سنتے ہی ایک شخص نے تلوار کھینچ لی اور کہا تمہارا سر اڑا دونگا۔ آپ نے اس کی دلیری آزمانے کیلئے کہا تم امیرُ المؤمنین کی شان میں گستاخی کر رہے ہو۔ اس نے جواب دیا ہاں میں گستاخی کر رہا ہوں اگر تم قرآن و سنت کے مطابق حکومت نہیں کرو گے تو تمہارا سر اڑا دونگا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ قوم میں ایسے لوگ ہیں کہ میں اگر ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دیں گے۔ آج ہم اپنے مریدوں کو اس جرأت اظہار سے کیوں روک رہے ہیں اور الٹا انہیں تعلیم دیتے ہیں کہ سوال و جواب کا عمل گستاخی و بے ادبی کا مظہر ہوتا ہے۔ آئیں ہم اپنے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کیا ہم ایسے صوفی ہیں کہ خود کو مریدوں کے سامنے احتساب کیلئے پیش کر سکیں۔ کیا ہم ایسے مرید ہیں کہ اپنے شیخ کو یہ کہہ سکیں کہ آپ کا فلاں عمل قرآن و سنت سے مطابقت نہیں رکھتا۔

لفظ ''کیوں'' راہِ سلوک میں سب سے کامیاب رویے کی ابتدا ہے۔ جہاں یہ لفظ نہیں وہاں پر جاہل مرید مغرور اور متکبر پیر پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے ماحول میں صوفی پیدا ہونا مشکل ہے۔ وہ خانقاہ جہاں لفظ ''کیوں'' کو بے ادبی کی علامت جانا جاتا ہے وہاں تجارتی عمل تو کامیابی سے چل سکتا ہے لیکن روحانی تعلیم نہیں پنپ سکتی۔

"ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں" والا فلسفہ بعد میں لاگو ہوتا ہے جب

مرید کسی پیر کے حلقہ ارادات میں داخل ہو جاتا ہے۔ تب بھی کسی عمل یا عنصر کے بارے میں سچائی یا حقیقت جاننا مرید کا حق ہے اور جواب دینا پیر کا فرض۔

تصوف کے ماخذ چار ہیں یعنی۔ قرآن،، سنتِ رسول ﷺ، اجماع اور قیاس۔ علم کا حصول صرف عقل پر ہی منحصر نہیں ہوتا بلکہ اور بہت سارے طریقے بھی ہیں۔ جیسے وحی کہ بے شک وہ صرف انبیاء پر نازل کی گئی مگر ذریعہ وہ علم کا ہے۔ انبیاء کو بہت سارے معاملات میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا۔ پھر الہام، کشف، استدلال بھی ذریعہ علم ہی ہیں۔ ۔ علامہ اقبال نے ان سارے علوم سے پیدا ہونے والی کیفیت کی تصویر کشی اپنے ایک شعر میں یوں کی ہے۔

ہے ذوقِ تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تُو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ بھی اسی سلسلے کی ایک دلیل ہے۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا" اگر تم لوگ وہ کچھ دیکھ سکتے جو میں دیکھتا ہوں تو تم لوگ ہنستے کم اور روتے زیادہ"۔ تو معلوم ہوا کہ ظاہری علوم کے علاوہ بھی کچھ علم ہیں جو سب انسانوں کو میسر نہیں ہوتے سوائے ان لوگوں کے جو عشقِ رسول اور اتباع شریعت رسول میں خود کو غرق کر دیتے ہیں۔ یہی عمل اور طرز حیات اصل تصوف ہے۔

6 آج ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ملا وصوفی میں:۔

ایک اساس ہے اور دوسرا عمارت
ایک ازل ہے تو دوسرا ابد
ایک آغاز ہے تو دوسرا منزل
ایک ابتدا ہے دوسرا انتہا
ایک خدا کی خوشنودی کا طالب

دوسرا اللہ کے قرب کا خواہشمند

ایک مدرسہ تو دوسرا خانقاہ

ایک ظاہر ہے تو دوسرا باطن

ایک اظہار کرتا ہے دوسرا خاموش ہے

ایک حضر میں ہے دوسرا سفر میں ہے

ایک ذکر در ذکر دوسرا فکر در فکر

ایک دربارداری چاہتا ہے

دوسرا تنہائی مانگتا ہے

ایک سے تکبر ابھرتا ہے دوسرے سے تکبر ڈوبتا ہے

ایک حاصل ہی حاصل ہے دوسرا نفی ہی نفی

ایک فخر ہی فخر دوسرا عجز ہی عجز

ایک جلوت ہی جلوت دوسرا خلوت ہی خلوت

ایک انتشار ہے تو دوسرا جذب ہی جذب

ایک کے ہاں دنیاداری دوسرے کے ہاں ترک دنیا

ایک محدود دوسرا لامحدود

ایک فقط وجود دوسرا سراپا شہود

ایک نصیحت کا چشمہ دوسرا بصیرت کا سمندر

ایک ذکر واذکار دوسرا پاس انفاس

ایک جمع ہی جمع دوسرا منع ہی منع

ایک پھیلتا ہے دوسرا سکڑتا ہے

ایک میں ہی میں دوسرا تو ہی تو

ایک پیش رو دوسرا پیروکار

ایک امیر دوسرا فقیر

ایک ربی ارنی کی صدا

دوسرالن ترانی کی فضا
ایک فنا ہی فنا دوسرا بقا ہی بقا
ایک حجرہ آباد دوسرا بوریا نشین
ایک حال دوسرا مقام
ایک کہتا ہے ملنے سے پہلے عقیدت رکھو
دوسرا کہتا ہے ملنے کے بعد عقیدت اپناؤ
ایک دین میں پناہ ڈھونڈتا ہے
دوسرا دین میں فلاح دیکھتا ہے۔

# تصوّف اور راہِ سلوک

انسانی زندگی کے مندرجہ ذیل چار پہلو ہیں۔

## ا۔ عام انسانی زندگی

اس نظریہ کے مطابق ہر انسان اپنی ذات اس کی پیدائش اور مقاصدِ حیات وغیرہ کا علیحدہ علیحدہ تعین کرتا ہے۔ جس کے مطابق وہ اپنی زندگی گزارتا ہے اس گروہ میں وہ سب لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جو بے دین ہوتے ہوئے زندہ رہتے ہیں۔ ان کے قریب انسان پیدا ہوا ہے اسے اپنی خوشی و مسرت کے حصول کے لئے زندہ رہنا ہے بے شک وہ مسرت یا خوشی بے بنیاد اور بے حد محدود اور عارضی ہی کیوں نہ ہو وہ اپنی زندگی عیش میں گزارتا ہے۔ ہم اس گروہ میں دہریہ لوگوں کو شمار کر سکتے ہیں کیونکہ وہ لوگ نہ تو اپنی پیدائش کی وجہ کا سراغ لگاتے ہیں اور نہ ہی وہ جاننا ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کی زندگی کا مقصد کیا ہے اور مر جانے کے بعد بھی زندگی کا کوئی انجام یا مرحلہ ہے کہ نہیں۔ بس وہ صرف زندہ رہتے ہیں۔ اور اسے ہی زندگی کا مقصد اوّل و آخر مانتے ہیں۔ ان کے نظریے کے مطابق یہ کائنات اتفاقی طور پر پیدا ہوگئی ہے اور انسان کا پیدا ہونا بھی محض کسی اتفاق ہی کا نتیجہ ہے۔

## ۲۔ مذہبی زندگی

مذکورہ گروہ کے لوگوں میں سے وہ لوگ جو بحیثیت انسان اپنے رویوں کی بنیاد کسی ایک فلسفہء مذہب کی تعلیمات پر رکھتے ہیں انہیں مذہبی زندگی کے حامل لوگ گنا جائے گا بے شک وہ مذہبی قدریں یا سمتیں یا مسلکی حدود کسی الہامی مذہب سے اخذ ہوں یا غیر الہامی مذاہب سے۔ چونکہ کسی بھی مذہبی زندگی کی بنیاد اور رجحان اخلاقی پہلوؤں پر ہوتا ہے۔ جن کا مقصد معاشرے میں اچھائی کو ترویج دینا اور انہیں مزید پھیلانا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مذہبی زندگی اچھے انسانوں کو جنم دیتی ہے جن کو ان کے اچھے اعمال کا صلہ خداوند کریم عطا کرتا ہے مگر غیر الہامی مذہب کے پیروکاروں کو صرف اس عالمِ مثالی میں ہی صلہ دے دیا جاتا ہے۔

ایسے لوگوں کا آخرت میں نہ حصہ ہوتا ہے نہ کوئی مقام۔ الہامی کتابوں کے پیروکار اگر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائیں تو پھر ان کا کچھ حصہ آخرت میں ہوگا کیونکہ ایسے نظریہ کے تحت ان کی زندگی کا گذارنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہوگا لہٰذا وہ اپنا حصہ اللہ تعالیٰ سے آخرت میں ضرور پائیں گے۔

## ۳۔ غیبی قوت پر یقین

وہ لوگ جو اپنی زندگی کا انحصار ایک غیبی قوت پر ایمان لاکر تسلیم کرتے ہیں کہ ایک غیبی طاقت وقوت خود موجود ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے اس طرح وہ لوگ اس قوت کی اور اس ہستی کی تلاش کرتے ہیں جس کے لئے وہ مختلف طرزِ ہائے زندگی اپناتے ہیں مگر مقصدِ حیات ان کا صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ روحانی زندگی گذاریں۔ اُس روحانیت کا سراغ لگائیں جو ان کے اندر بلا روک ٹوک اور ان کے نہ چاہنے کے باوجود واضح طور پر حکمران ہے اور ان کے عمل کو جنم دیتی ہے ایسے گروہ میں بھگت کبیر، گرو نانک، فلاطینوس، یونانی فلاسفرز اور آج کے غیر اسلامی صوفی حضرات کو شمار کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر ان تلاش کنندگان کے نظریات کو توحید و رسالت پر ایمان بھی نصیب ہو جائے تو وہ سب کے سب اسلامی اصفیاء وفقراء کہلوائیں گے۔ بصورت دیگر وہ ایک نظریہ دینے والے فلاسفر یا بےفکر زندگی کی راہوں کے آشنا دانشور یا انسانی اور معاشرتی زندگی کے بڑے سخنور تو تسلیم کئے جا سکتے ہیں اللہ والے نہیں کہلوا سکتے وہ اللہ والے تبھی بنیں گے اگر اللہ تعالیٰ کو انہی صفات اور شرائط کیساتھ مان کر ایمان لائیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری حکم نامہ میں فرمایا ہے جو آیتُ الکُرسی کا مکمل مفہوم ہے۔

## ۴۔ راہِ سلوک کے مسافر

وہ لوگ جو کسی نہ کسی دین پر قائم رہ کر زندگی گذارتے ہیں انہیں دینی لوگ کہا جائے گا جب کہ ان سب لوگوں میں دین اسلام کے پیروکار ہی سب سے سچے برتر و اعلیٰ نظریات کے حامل ہیں ان نظریات کے حامل لوگ جب اپنی پہچان کے لئے ایک مخصوص سفر اختیار کرتے ہیں انہیں اسلامی تصوّف کے مسافر یا راہِ سلوک کے فقراء کہیں گے اور یہی

صالحین وصادقین لوگ حق کے متلاشی اور حق کے نمائندے ہوتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اگر صوفی اور فقیر سنت رسول ﷺ میں گوندھے ہوئے عمل سے باہر کا کوئی فرد ہے اور راہِ سلوک ولائیت وہدائیت کا مرکز کسی اور سرچشمہ کو سمجھتا ہے تو وہ نقال صوفی ہے لہذا اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا یہ ولایت صرف اسی کو نصیب ہوگی جو رشدِ رسول ﷺ کا پیغام لے کر خود عمل کر کے دوسروں کو دعوت حق دیتا ہے اور خود بھی عملی زندگی کا بےمثل نمونہ ہو۔

# تصوّف اور مآخذ تصوّف

تصوّف کا ماخذ اوّل قرآن پاک ہی ہے اور پھر شریعتِ رسول ۔ قرآن پاک میں بھی " سبع مثانی " یعنی وہ سات آیتیں (سورۃ فاتحہ ) جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں ان کا اگر بغور مطالعہ کریں اور ان سات آیتوں میں بھی آیت نمبر ۵ " اھد نا لصراط المستقیم " ۔ ہی تصوّف کا ماخذ ہے کیونکہ ایک مومن اللہ تعالیٰ کے سامنے قرآن پڑھتے ہوئے گذارش کر رہا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے سیدھی راہ دکھا اور اللہ تعالیٰ جو یقیناً ہر دعا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے ( البقر 86 )، دوسرے ہی صفحہءِ قرآن پر تلاوت کے آغاز میں ہی فرماتا ہے کہ ہم نے تمھاری دعا قبول کر لی اب یہ قرآن پڑھو اور اس پر عمل کرو کیونکہ یہی راہِ ہدایت ہے مگر صرف ان لوگوں کے لئے جو ہدایت حاصل کرنا چاہیں ۔ قارئین ! پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ عہد کی پاسداری کرتے ہیں وہی لوگ مومن ہیں وہی اللہ کو پسند ہیں پھر جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے عہد کی پاسداری نہ کرنے والوں کو مخاطب کر کے فرمایا تم کیوں وہ کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو ۔ تم کیوں نہیں سمجھتے ہو کہ اللہ کے قریب مومنوں کا ایسا رویہ ناراضگی کا سبب بنتا ہے ۔ لہٰذا اپنے عہد پر واپس لوٹو اور اس کی پاسداری کرتے رہو پھر فرمایا وہ عہد بھی یاد رکھو جو تم نے اپنے رب سے کر رکھا ہے ۔ ( سورۃ الاعراف ۱۷۲ )

ایک صوفی اپنے اس عہد کی پاسداری میں جینے والا فرد ہے اور اس عہد کی پاسداری کی ساری راہیں وہ قرآن پاک سے اور حضور پاکؐ کی زندگی سے اخذ کرتے ہوئے اپنی زندگی گذارتا ہے ۔

ایک صوفی کا منتہائے آرزو یہی ہوتا ہے کہ وہ عقائدِ باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے پاک ہو کر رہے اس لئے وہ اپنی عارفانہ زندگی میں ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہے کہ وہ کہیں اللہ کی راہ میں غلطی کرنے والوں میں شمار نہ ہو جائے اور اللہ کی ناراضگی نہ مول لے وہ اپنے سارے مطلوب و مقصود عناصر حیات کے لئے صرف ذاتِ محمد مصطفیٰؐ ہی کو ایسی ہستی جانتا اور مانتا ہے جو اللہ کی پاک آیتیں پڑھ پڑھ کر ہمیں سناتے ہیں اور ہمیں پاک کرتے

ہیں۔صوفی یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا نہیں جا سکتا اور پھر جنہوں نے ایسا کیا یعنی آیتوں کو جھٹلایا تو وہ ظالم ٹھہرے۔ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اس لئے صوفی اپنے مقاصد کے حصول کے لئے حیاتِ رسول کے ایک ایک پہلو کو اپنا کر زندہ رہتا ہے اور فلاحِ دارین پاتا ہے۔یعنی دونوں جہاں میں کامیابی۔ اس دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور آئندہ زندگی میں کامیاب بن کر ابھرتا ہے۔

## علمِ تصوّف اور صوفی صاحب

اس میں کوئی دوسری رائے نہیں ہے کہ طالبِ تصوّف ہو یا طالبِ نجات یا پھر راہِ سلوک کا مسافر ہر ایک کے لئے سب سے بنیادی چیز علم کا حصول ہے۔ کیونکہ ہر سو کامیابی کے لئے اور حصولِ مقصد کا مدار یہی علم ہے۔ ہماری نظر جہاں کہیں بھی کسی شخص کو کامیاب و کامران دیکھتی ہے اس کے پیچھے علم کا ہی کرشمہ ثابت ہوتا ہے۔ بالخصوص روحانی زندگی میں تو علم ہی بنیادی چیز ہے جو ایک سالک کے لئے منزل (معرفت الٰہی) کے حصول کو آسان بناتی ہے اور اس پہلے مرحلے کے علم کے حصول کے بعد ہی سالک کو یہ معلوم ہوتا ہے، جو بھی زمینوں اور آسمانوں میں یا ان کے اوپر اور درمیان نازل ہوتا ہے ہر چیز کو اپنی گرفت میں تھامے ہوئے ہے (کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے) اور اس کا علم ہر چیز کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے۔ (سورۃ طلاق آیت نمبر ۱۲ سے علم کی اہمیت عیاں ہے۔)

آج کا صوفی یہ تو دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر (اوصاف دے کر) پیدا کیا ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے وصف کو مختلف رنگ دے کر یکسر بھولا ہوا ہے کہ اللہ تو حصولِ علم کی انسان کو تاکید کرتا ہے کہ علم حاصل کرو تا کہ تم فلاح پانے والے بنو۔ صوفی فلاح کی تلاش میں تو ہے مگر راہِ مستقیم کو گم کر بیٹھا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ دین اسلام کی تبلیغ اور عظمت و بقائے انسانیت کیلئے کام کرنے والے مضبوط اداروں میں خانقاہی نظام اپنانے والے اداروں کا نمایاں و نمائندہ حصہ رہا ہے۔ خانقاہی نظام جو قرآن وسنت رسول اللہ کے عرق میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا یہ اسی کی خوشبو ہی کا اثر تھا کہ بے دین لوگ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہوتے تھے اور دین دار لوگ کشاں کشاں خانقاہوں اور آستانوں پر حاضر ہو کر دینی راہنمائی اور روحانی سکون پاتے تھے جب ان آستانوں اور خانقاہوں میں صرف مجاور گورکن یا قصہ خواں اور تعریف گو لوگ آ بسے تو نہ خانقاہوں کا تقدس باقی رہا اور نہ آستانوں کا فخر و عظمت پھر مخالفین و اغیار کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ راہ سلوک اور تصوّف کے یہ دعوے دار زندگی کے تلخ اور مشکل پہلوؤں سے فرار چاہنے والے سہل پرستوں کا گروہ ہے نہ کہ دین فطرت کے مبلغوں کی جماعت۔ خانقاہوں اور

آستانوں پہ موجود بے علم سجادہ نشینوں اور بے عمل صوفیوں نے روحانی اور دینی اعتبار سے ان اداروں کو بے توقیر بے وقعت اور بے اثر ادارے بنا کر انہیں گویا تجارتی چیمبر chambers میں تبدیل کر دیا ہے۔ اپنے وقت کے ان مسلّمہ اور جید اسلامی درسگاہوں پر آج یہ عالم ہے کہ۔

نالاں ہے خانقاہ تو سجادہ ہے بے توقیر
مرید سادہ کو میسر نہ تصوّف نہ سلوک

ایک سالک کے لئے سب سے اہم کام حصول علم اور عبادت ہے۔ ایک حدیثِ مبارکہ میں رسول اللہ کا فرمان یوں ملتا ہے۔

''ایک عالم کا کسی عابد سے افضل ہونا ایسا ہی ہے جیسے میری فضیلت تم پر ہے اور پھر ایک اور جگہ فرمایا ایک عالم کی ایک مرتبہ زیارت کرنا ایک برس کی عبادتِ شب بیداری اور روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔ علم کی فضیلت پر ذکر فرماتے ہوئے رسول اللہ نے مزید فرمایا کہ میری امت کے علما بہترین اہلِ جنت میں سے ہیں''۔

اسی فرمانِ رسول کے اتباع میں صوفیوں نے مریدوں کو پیر کی صحبتوں میں بیٹھ کر علم حاصل کرنے پر زور دیا ہے جسے آج غلط معنی پہنا دیئے گئے ہیں۔ اور بے علم صوفی و مرشد پیدا ہو رہے ہیں بقول علامہ اقبال'' خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن''

ایک سالک کو یہ سمجھنا چاہیے کہ علم بلا عمل وعبادت کوئی روشنی نہیں دیتا علم وہی روشنی دے گا جو راہِ فلاح کی نشاندہی کرے گا اور منزل کے حصول میں مدد دے گا اور جس علم کو عبادتِ الٰہی میں صرف کیا جائے گا۔ اس فلسفہ کو حضور اکرمؐ نے یوں فرمایا۔ ''علم مقتدا ہے عمل کا اور عمل اس کا تابع ہے'' یعنی عمل کے لئے علم ضروری ہے اور علم کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم کونسا ہے، جس کے حصول پر اتنا زور دیا گیا ہے۔؟ اس سوال کا جواب اصفیاء نے بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھ کر مکمل کیا ہے کہ راہِ سلوک کے مسافر کو خود یہ معلوم ہونا چاہیے کہ امر بالمعروف کیا ہے اور نہی عن المنکر کے کیا معنی ہیں۔ اور ان الفاظ

کی کیا وسعت ہے اور یہ وسعت کیسے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اسے سادہ اور مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ سالک کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ درویش بے کُلاہ تو یہاں تک کہتا ہے کہ راہِ فقر اپنانے والے کو اتنا ہی جاننا کافی ہے'' کہ وہ یاد رکھے کہ اسے کیا کیا نہیں کرنا ہے''۔ اس واحد سوال کا جواب ڈھونڈنے اور جواب کو اپنانے میں عمرِ خضر چاہیے ہوگی ہاں ایک عابد کو فلاح کی زندگی پانے کے لئے ایک کتاب اللہ ہی کافی ہے۔ کیونکہ قدیم دور کے اصفیاء اور فقراء اس فرمانِ خداوندی سے (غضب اور ناراضگی سے) ڈرنے والے لوگوں میں تو صرف علماء ہی ہو سکتے ہیں جو سورۃ فاطر آیت ۲۸ پر مکمل یقین رکھتے تھے اسی لئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بزرگانِ دین اور اولیاءِ اکرام علم کے حصول کے لئے حفظِ قرآن، علمِ حدیث، فقہ، تفسیر، صرف ونحو، سیاحت اور اہلِ علم کی صحبتوں میں رہنے کو اپنا معمول بنائے رکھتے تھے۔ وہ اپنی محفلوں میں مختلف موضوعات پر بحث چھیڑتے پھر کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ سے اس کا جائزہ لے کر اپنی رائے دیتے تھے ایسے روحانی و علمی ماحول کا ہی اثر تھا کہ وہ ''قم باذن اللہ'' کہنے والے بن کر ہمارے سامنے آئے۔ ایسے ہی روشن ماحول میں کھلنے والی آنکھیں اور دل تھے جن کے بارے میں کہا جاتا تھا'' خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے''

تاریخ میں ملتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضور اکرمؐ سے تین خواہشوں کا ذکر تین مختلف نشستوں میں کیا۔ ایک یہ کہ اے اللہ کے رسولؐ بیت المقدس تو یہودیوں کا معبد تھا مسلمانوں کو نماز کعبہ رخ ہو کر پڑھنی چاہیے۔ رسول اللہ نے فرمایا عمر میری نظروں کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا نہیں دیکھتے ہو لیکن ابھی امر ربی نہیں ہوا ہے پھر اللہ نے ان کی یہ خواہش پوری کر دی (خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے)۔ دوسری خواہش یہ کہ ہماری مسلمان عورتوں کو زمانۂ جہالت کی بے پردگی ترک کر دینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کی یہ خواہش بھی پوری کر دی اور حکم ہوا کہ اے نبیؐ اپنی بیویوں سے کہو کہ۔۔۔۔ (خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے) اور تیسری خواہش یہ کہ منافق عبداللہ بن ابی کی نمازِ جنازہ آپؐ نہ پڑھائیں اس طرح منافقوں کو شہہ ملے گی اللہ تعالیٰ نے فوراً وحی بھیج کر حضور اکرمؐ کو منع فرما دیا کہ آئندہ نہ منافقوں کی نماز جنازہ پڑھانا اور نہ ان کی قبر پر کھڑا

ہونا اور نہ ہی ان کے لئے دعائے مغفرت کرنا یہ ہے وہ مقامِ قبولیت اللہ کے ان بندوں کا جو صرف اور صرف اللہ کے لئے جیتے اور صرف اس کے لئے مرتے تھے۔عبداللہ بن ابئ کی نماز جنازہ پڑھانے پر وحی کے ذریعے آئندہ منافقوں کی نماز جنازہ نہ پڑھانے کا حکم صادر ہونے پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب حضور اکرم کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے تو ان کا منصب و مقام ہی یہ ہے کہ وہ انسانوں پر رحمت کی دعائیں کر کر کے اپنے اللہ سے انہیں بخشوائیں۔تو پھر یہ منع فرمانا کیوں ہوا۔

اس سوال ہی میں اس کا جواب موجود ہے وہ یہ کہ حضور اکرم کو دعائے خیر مانگنے سے منع نہیں فرمایا گیا بلکہ یہ کہا گیا کہ اگر ان لوگوں کیلئے ستر بار بھی بخشش مانگیں گے تو میں انہیں نہیں بخشوں گا۔ (سورۃ توبہ۔آیت ۸۰) کیونکہ وہ اللہ اور رسول اللہ کے منکر ہوئے ہیں۔سبحان اللہ شان رسول دیکھئے کہ جو اس کا نافرمان ہوا اس کے لئے اسی نبی ہی کی مانگی ہوئی دعائے مغفرت بھی قبول نہیں کی جا رہی۔یعنی رسول اللہ کے حکم کو نہ ماننا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا سبب بنتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ سورۃ النساء آیت ۶۴ میں پہلے فرما چکے ہیں کہ کونسا گناہ ہے جو نبی کے بخشوائے نہ بخشا جائے گا۔

آج ہم نے ایسے روحانی ماحول کو کھو کر اپنے گرد سہل پسندی اور نئے نئے نظریات کو جنم دے کر ظلم و جہالت اپنا رکھی ہے۔نہ ہمارے پاس علمِ دنیا ہے نہ علمِ معرفت۔ ظاہر ہے جب ہم بے علم ہیں تو بے عمل بھی ہیں اور بے عمل اس لئے ہیں کہ بے علم ہیں۔لہٰذا ہم نہ تو زمین پر کچھ دعوی کر سکتے ہیں کہ ہم نے یہ کچھ مسخر کر لیا ہے اور نہ آسمان کی طرف ہمارا قدم اٹھا ہے۔جن لوگوں نے علم حاصل کیا وہ زمین و آسمان پر عناصر کو مسخر کر کے دنیا پر حکومت کر رہے ہیں ہم اپنے زعم میں بہت بڑے جاننے والے بنتے ہیں اور یہی ہماری جہالت کا ثبوت ہے۔بے کُلاہ کے قریب یہی ایک عنصر سالک کی مرگ کے لئے کافی ہے کہ وہ خود کو سارے علوم کا مرکز و منبہ سمجھ بیٹھے۔اور دوسروں کی بات نہ سنے۔کہنے والوں کو سنیں اگر وہ غلط ہیں تو اصلاح فرمائیں نہیں تو اس کی مانیں۔ایسا وہی سالک یا صوفی رویہ اپناتا ہے جس کو خود پر اعتماد ہوتا ہے کاش ہم ان محفلوں میں جن کو صوفی روحانی محفل کہتا ہے ان سے علم پر بات کرتے ،حصول علم پر زور دیتے ،علم کی اہمیت کو پیشِ نظر رکھ کر اپنے

حلقہ ارادت میں بیٹھنے والوں کو تعلیم دیتے بجائے اپنی ذات نمائی کرنے، دوسروں پر تنقید کرنے اور انہیں حقیر و بے وقعت ثابت کرنے کے اپنا اور اپنی تعلیمات کا جائزہ لیتے کہ ہم اپنے اردگرد رہنے والوں کے لئے کس قدر حقیقی روشنی کا یا علم حاصل کرنے کا سبب بن رہے ہیں ۔ ہم انہیں کن مجاہدات کی تعلیم دے رہے ہیں اور کیا یہ تعلیم انہیں دنیا میں عزت و توقیر پانے میں مدد دے گی بھی یا عمر بھر دو وقت کا لنگر شریف ہی مقصدِ بیعت بنا رہے گا۔

علم و عمل کے لئے سالک کا ایک نظریہ رکھنا لازمی ہے جبھی وہ عبادت کی راہیں متعین کرسکتا ہے مثلاً معبود جو ہے اس کے اوصاف کیا ہونے چاہئے اور عابد کو معبود کیساتھ کیسی محبت اور طرز اپنانا چاہئے ۔ اپنی عمر گزارنے میں عبادت گذاری کے لئے کس پر توکل کرنا ہے، ملنے پر شکر کرنا ہے نہ ملنے پر ذکر وصبر اور پھر شکر کرنا ہے اور سب سے بڑی بات کہ عبادت الٰہی مجھے سب سے الگ ہو کر کرنا ہے ۔ مذکورہ نظریات یعنی توکل (المائدہ ۲۳) عبادت و شکر (بقرہ ۱۷۲) صبر (نحل ۱۲۷) (المزمل ۸) پر عمل کرنے کے لئے سالک کو کتاب اللہ کی طرف ہی رجوع کرنا لازمی ہے اور پھر اس کتاب اللہ کو پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت اور بھی ضروری ہے اسی لئے راہِ سلوک کی پہلی منزل قرآن ہے اور آخری شریعتِ رسول اللہؐ ۔ اپنے رسولِ عربیؐ کی وہ چالیس سالہ زندگی جو نبوت سے پہلے کی تھی اسے ذہن میں رکھیے کہ وہ کیسی زندگی تھی ۔ اس وقت شریعت رسول نافذ تھی انہیں اس کے باوجود ان کا مخلوق خدا کی خدمت کرنا، کردار کی صداقت اور غارِ حرا میں کئی کئی دنوں کا قیام کیا تھا۔ کیا یہ تصوّف نہ تھا۔؟ ہاں عبرانی لوگ اسے تحنث کہتے تھے۔

وہ چیزیں جن پر اسلامی تصوّف میں زور دیا جاتا ہے۔

۱۔ اللہ کا شریک مت ٹھہراؤ

۲۔ والدین پر احسان کرو

۳۔ اولاد کو قتل مت کرو

۴۔ بے حیائی سے بچو

۵۔ معصوم کو قتل نہ کرو

۶۔ رزق حلال کماؤ جس سے کھاؤ کم اور کھلاؤ زیادہ

۷۔ یتیم کا مال مت کھاؤ

۸۔ اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرو

۹۔ انصاف کرو اور انصاف کی بات کرو اور انصاف کی زندگی اپناؤ

۱۰۔ دن کو روزہ رکھو

۱۱۔ شب بیداری اور ذکر اللہ کرو

صوفی اس ایمان وایقان کے ساتھ عالمِ موجودات میں رہتا ہے کہ اس کا اللہ ہر وقت، ہر حال میں اور ہر جگہ اس کے ساتھ موجود ہے۔ اس طرح وہ جو بھی فعل گفتگو، عہد، یا پاک ذات کی تسبیح کرتا ہے اس کا اللہ اس کو دیکھتا، سنتا اور جانتا ہے۔ چونکہ اسے سارے شواہد گنوا کر زمین اور آسمان کے اندر باہر مثلاً بارش نباتات وغیرہ کو حکم وہدایت دی جا چکی ہے کہ اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح کرو (سورۃ واقعہ 96) جس طرح کہ زمین وآسمان کی ہر شے اس کی تسبیح میں مشغول ہے اس لئے صوفی اطاعتِ شریعت کے بعد اس تسبیح اللہ میں خود کو مصروف رکھتا ہے اور دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ تو اس رویہ کا نام ہی تصوّف ہے۔ اپنی انفرادی حیثیت میں تصوّف بمعنی لغات کچھ بھی نہیں طلبِ حق میں جینے والے ایسے فقراء کی چند ایک ظاہری نشانیاں کچھ اسطرح کی ہیں۔

۸۔ کثرتِ صوم

۹۔ حرام یا ناپاک غذا سے پرہیز

۷۔ ذکراللہ میں کثرت

۹۔ شب بیداری بمعہ ذکر وشکر اللہ

۱۰۔ نامحرم عورت سے ممکنہ حد تک دوری

۵۔ ترکِ سوال

۱۱۔ تسلیم ورضا کا اختیار کرنا

۱۲۔ درباداری یا مجمع سے اجتناب برتنا

۱۳۔ حجرہ یا مسجد میں قیام (زیادہ وقت ایسے ہی گزرے)

۱۴۔ اتباعِ شریعت (ظاہری شریعت کی پاسداری)

۱۵۔ تلاوتِ قرآن میں مشغولیت

۱۶۔ آرام دہ بستر سے گریز کرنا

۱۷۔ غیراللہ کی محبت سے پاک ہونا (سب سے بڑا غیراللہ تو انسان کی اپنی ذات ہے)

۱۸۔ شیریں گفتار اور صاحبِ کردار ہونا۔

کسی بھی سلسلہ طریقت کے شیخ سے بعیت کرنے سے پہلے طالب کو مذکورہ بالا اوصاف اس شیخ میں دیکھنا ضروری ہیں بصورت دیگر بعیت کی رسم تو پوری ہوجائے گی مقصدِ بعیت ہاتھ نہیں لگے گا۔

# اقبال اور تصوف

مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ مجھ جیسے کم علم شخص کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ علامہ اقبال جیسے حکیم الامت فلسفی نابغہ روزگار ہستی پر قلم اٹھائے مگر جو کچھ مجھے علامہ اقبال کی تحریروں میں ملا ہے یا میں اپنی کم علمی کی وجہ سے سمجھ سکتا ہوں اس پر تبصرہ کرنا تو میرا حق ہے۔

سرورِ کائنات حضورِ پُرنورؐ کی ذات انسان کامل کا یہ اثر ہے کہ ان کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ستر سال تک بھی کسی کو ایسی جرات نہ ہوئی کہ وہ اسلامی تعلیمات اور قرآنی احکامات کو اپنی مرضی کے معنی پہنا لیتا۔ پوری امت مسلمہ کا ایک ہی فقہ تھا اور ایک ہی طرزِ زندگی۔ اس لئے کہ مرکز ہدایت قرآنی احکامات تھے اور ان کی عملی شکل سنت رسول تھی۔ یہ تو (۶۹۹ء اور ۷۶۵ء) میں جعفر الصادق (۶۹۹ء اور ۷۶۰ء) اور امام ابوحنیفہ (۶۹۹ء تا ۷۶۷ء) مالک بن انس (۷۱۱ء تا ۷۹۶ء) امام شافعی (۷۶۷ء تا ۸۲۰ء) اور امام احمد بن حنبل (۷۸۰ تا ۸۵۵) جیسے اہلِ دین تھے جنہوں نے بدلتے زمانوں میں ابھرتے ہوئے روز بروز کے دینی مسائل پر غور کر کے اسلامی قوانین کی تشریحات پیش کیں۔ جو آج دنیا بھر کے کروڑوں مسلمانوں کی راہنمائی کر رہی ہیں۔ جب وقت کی گرد نے مذکورہ تشریحات کو دھندلانا شروع کر دیا تو امام حامد الغزالی (۱۰۵۸ء تا ۱۱۱۱ء) امام فخر الدین رازی (۱۱۴۹ء تا ۱۲۰۹ء) جلال الدین رومی (۱۲۰۷ء تا ۱۲۷۳ء) ابن تیمیہ (۱۲۶۳ء تا ۱۳۲۸ء) ابن خلدون (۱۳۳۲ء تا ۱۴۰۶ء) شیخ احمد سرہندی (۱۵۶۴ء تا ۱۶۲۶ء) اور شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳ء تا ۱۷۶۳ء) نے ضرورتِ وقت پر لبیک کہتے ہوئے مسلمانوں کی مذہبی اور مسلکی راہنمائی کا بیڑا اٹھایا۔ اپنی تحریروں سے لوگوں کو اصل و نقل، سچائی اور فریب کے درمیان فرق بتایا اور جدو جہد کی زندگی کو اپنانے کا درس دیا۔ ہندوستان کی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانانِ ہند عجیب بے کسی اور بے بسی کی زندگی گزار رہے تھے کہ سرسید احمد خان (۱۸۱۷ء تا ۱۸۹۸ء) بعد میں جمال الدین افغانی (۱۸۳۹ء تا ۱۸۹۷ء) مفتی محمد عبداللہ مصری (۱۸۴۹ء تا ۱۹۰۵ء) اور راشد رضا شامی (۱۸۶۵ء تا ۱۹۳۵ء) نے مسلمانوں کی کم علمی و بے عملی کو مدنظر رکھ کر انہیں بتایا کہ جاننے والے نہ جاننے والوں سے

کہیں بہتر ہیں۔ اسی قرآنی تعلیم کو آگے بڑھاتے ہوئے علامہ اقبال جو کہ (۱۸۷۶ء تا ۱۹۳۸ء) مسلمانان دنیا کی راہنمائی کے لئے منتخب ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انہیں ذمہ داری سونپی گئی تھی اسے بطریق احسن نبھایا۔ علامہ کے علاوہ مذکورہ مسلم فلاسفر اور راہنما صرف اپنی توجہ مذہبی تعلیم پر مرکوز رکھتے ہوئے آگے بڑھے۔

علامہ اقبال نے اپنے وسیع علم و مطالعہ قرآن و حدیث ،شریعت رسول اور تاریخ مسلمانان اور اسلامی ادوار سے مسلمانوں کی پستی کی وجوہات کا کھوج لگایا۔ بے عملی کے تصوّف سے چھٹکارے کی اپیل کرتے ہوئے اسے ایک جرأت وحوصلہ وعمل پسندیدگی کا درس بھی دیا اور کامیابی کی نشان وہی بھی کی۔ اگر صرف تصوّف پر ہی اقبال کو مان لیا جائے تو ہم اللہ کے سچے بندے بن جائیں گے جن کے لئے اس نے قرآن پاک نازل فرمایا ہے۔

## نظریہءِ تصوّف پر اعتراضات

اگر نظریہءِ تصوّف اپنی ضرورت اور قوت کا سرچشمہ انہیں ماخذین تصوّف کو سمجھتا جن پر اس کی بنیاد رکھی گئی تھی یعنی قرآن وشریعت کتاب وسنتِ رسولؐ تو پھر یہ نظریہ نہ تو کبھی تنقید کا شکار ہوتا نہ غیروں کو اس پر اعتراض کرنے کی گنجائش ملتی، ہم دیکھتے ہیں کہ نظریہ تصوّف پر ہر شخص قلم اٹھا کر لکھ دیتا ہے ایک نہیں بیسوں مثالیں تاریخ سے نکال کر پیش کی جاسکتی ہیں کہ راہِ سلوک پر چلنے والے کہاں کہاں صحیح سمت کھو کر بھٹکے۔ وہ سالکین چونکہ اپنے نظریات کی حفاظت ان عملی رویوں سے نہیں کرسکتے تھے اور اپنی بشری کمزوریوں کو جواز بنا کر دفاع برائے دفاع تصوّف پیش کرتے رہے اس طرح عذرِ گناہ بدتر از گناہ است والی کیفیت پیدا ہوتی گئی اور پھر زمانے کی معاشی ترقی، صنعتی فروغ اور مشینوں کی حکومت نے اصلاحِ قلب کے نہ صرف رویے بدلے بلکہ منزلیں بھی بدل ڈالیں۔ اسطرح وہ کاروانِ مسلمانان جو لوگوں کو حقیقت کا پتہ دینے کے لئے سادہ راہوں کا انتخاب سکھانے نکلا تھا خود تکلفات اور کج روی کا شکار ہو کر رہ گیا۔ رہی سہی کسر عبداللہ ابنِ سبا کے نظریہ سبائی نے پوری کردی اور بعد میں کرامتی اور باطنی فلسفہءِ تصوّف نے تو اسلامی تصوّف کے تابوت میں گویا آخری کیل ٹھونک دی۔ مذکورہ تحریکیں تو تھیں ہی غیر حقیقی لہٰذا ان سے صرف نظر کیا جاسکتا ہے مگر اسلامی تصوّف کو متنازعہ بنانے میں اہم کردار منصور بن حلاج اور ابنِ عربی (شیخ اکبر محی الدین) نے بھی بڑا حصہ لیا ہے۔ کیونکہ سبائی، کرامتی اور باطنی تحریکیں تو تھی ہی بے بنیاد لہذا ان تحریکوں کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں جاننے کی کوششیں کرنا بھی ایسے ہی ہے جیسے آج کے دور میں کوئی شخص نبوت کا دعوے دار بن بیٹھے اور ہم اس سے وہ دلائل اور ثبوت پوچھنے بیٹھ جائیں جن کی بنا پر اس نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ کیونکہ جب ہمارا عقیدہ وایمان ہے کہ اب کوئی نبی نہیں آنے والا اور یہ کہ نبوت کا دور مکمل ہو چکا ہے تو پھر کسی سے ہم یہ کیوں پوچھیں کہ تمھارے اس دعوے کے ثبوت میں کیا دلائل ہیں کہ تم نبی ہو۔ لہٰذا اگر مذکورہ فقراء واصفیاء یعنی منصور حلاج اور ابن عربی نے اگر کچھ پا لیا تھا جو عام انسانوں کی فہم سے وراء تھا تو اپنے اعلان سے پہلے انہیں سوچ لینا چاہیے تھا کہ کیا عام مسلمان ان رموز

کو سننے یا سمجھنے کے قابل تھا۔ وہ مجمع جس کے سامنے انہوں نے اپنا فلسفہ بیان کیا وہ تو اتنی سکت اور اعلیٰ قلبی کے مقام پر فائز نہ تھا جس پر منصور اور ابن عربی تھے کہ سب کچھ اپنے دل میں رکھتے اور تاریخ شاہد ہے کہ جو لوگ اتنا شعور رکھتے تھے انہوں نے منصور حلاج اور ابنِ عربی پر ان کے ایسے عمل پر کھل کر اعتراض کیا تھا اور ایک غلط روش کی بنیاد رکھنے سے منع بھی کیا۔ ناقدین منصور اور ابن عربی کے خدشات آج بالکل درست ثابت ہو رہے ہیں۔ آج ہر بے عمل اور تارک شریعت خود کو صوفی کہلوانے میں پیش پیش ہے اور ایسا کرنے میں فخر بھی محسوس کرتا ہے۔ باوجود اس حقیقت کے کہ وہ بے علم ہے بے عمل ہے اور بے معرفت بھی ہاں روپ اہل تصوف کا ضرور اپنائے ہوتے ہیں۔

## صوفی کی تربیت

مشہور و معروف سلسلہ ہائے تصوّف کے گہرے مطالعے اور قریبی مشاہدات کے تناظر میں یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ صوفی کی راہِ سلوک میں تربیت کے لئے چار مرحلے ہوتے ہیں۔ یعنی اولاً شریعت، دوم طریقت، سوم معرفت اور چہارم حقیقت۔

## شریعت

اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری کا وہ طریقہ جو امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنایا. کا مکمل اور بے عذر اتباع کرنا شریعت ہے۔ چونکہ حضور اکرمؐ کا کوئی بھی عمل احکام خداوندی (قرآن پاک) کے خلاف نہ تھا۔ بلکہ عبدیت مطلوبہ کے عین عین مطابق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور اقدسؐ کے معمولات کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ۔

''وہ چلتے پھرتے قرآن تھے''۔ ظاہر ہے جو بھی طالبِ تصوّف ہوگا اس پر شریعتِ رسولؐ کی مکمل پابندی لازمی ہوگی اسی لئے سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ ''جس شخص کو قرآنی تعلیمات پر مکمل عبور حاصل نہیں اور سنتِ رسولؐ کی پابندی نہیں کرتا ایسے شخص کو اپنے نام کے ساتھ صوفی لکھنا جائز نہیں''۔

## طریقت

طریقت اس مزاج اور روّیہ کا نام ہے جو ایک طالبِ تصوّف اپنے شیخ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق اختیار کرتا ہے تا کہ وہ اپنے ان اوصاف سے چھٹکارا پا کر تصفیہءِ نفس اور تزکیہءِ قلب حاصل کرے اور فساد سے بچ سکے جو اربعہ عناصر کا خاصہ ہے اور سب کا سب فنا ہونے والا ہے اور یہ کہ ایسے طرزِ زندگی کے ذریعے اوصاف حمیدہ و پاکیزہ کا محور و مرکز بن جائے جو اس کی ذات کے پانچویں عنصر یعنی روح کا خاصہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ طریقت کے سارے عناصر و ارکان شریعت سے جنم لیتے ہیں جبھی تو کہا جاتا ہے کہ شریعت اور طریقت کوئی دو نہیں بلکہ ایک ہی نظریہ و عمل کی دو مختلف شکلیں ہیں۔

بعض اصفیاء حضرات طریقت کی یہ تعریف کرتے ہوئے بھی ملتے ہیں کہ شریعت اور کفر کے درمیان کی راہ کو طریقت کہا جاتا ہے۔ کیونکہ صرف شریعت کی ادائیگی عبدیت کا اظہار ہے جبکہ شریعت کی ادائیگی کے بعد غور وخوض اور ذکر وفکر ایک صوفی کا عمل ومشغلہ ہوتا ہے اس لیئے اگر شریعت سے مکمل رخصت کرے تو وہ عبدیت سے بھی باہر نکل جاتا ہے جو کہ کفر کے برابر ہے اس لئے راہِ سلوک پر چلنے والا دونوں کے درمیان کی راہ کو اپناتا ہے جسے وہ طریقت کا نام دیتا ہے۔

## معرفت

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک انسانی نظروں سے اوجھل ہے۔ وہ اپنی ذات ومقام کا اظہار کائنات کی تخلیق کر کے، اسے مختلف شکلیں دے کر اور اس کو عروج وزوال بخش کر کرتا ہے لہٰذا معرفت اس طرزِ فکر وعمل کا نام ہے جو طالبِ تصوّف کائنات کی صفات کے اندر جھانک کر پس منظر میں پوشیدہ قوت کو دیکھنے کے لئے اپناتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کی پہچان صرف اس کی صفات سے ہے۔ اس لئے ان صفات کو ہمہ وقت ایک طالبِ تصوّف کے لئے سمجھنا ضروری ہے۔ اسطرح ان صفات کا سمجھنا اور تسلیم کرنا جن کی بنا پر حق تعالیٰ کا وجودِ ازلی وابدی یعنی "حق" ثابت ہوتا ہے، معرفت کہلاتا ہے۔

## حقیقت

دنیائے تصوّف میں جب بھی حقیقت کا لفظ استعمال کیا جاوے گا اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کی طرف ہی ہوگا جب کہ دنیا کی تشریح یا دنیوی معاملات کے بارے میں اصل کے لئے صحیح لفظ سچائی ہے حقیقت نہیں۔ لہٰذا ذاتِ حق کے مختلف اوصاف کی تفصیل وانتہا ہی حقیقت ہے۔ یاد رہے کہ مندرجہ بالا ساری اصطلاحیں مختلف اصفیاء کرام نے اپنے اپنے مشاہدات کی بنا پر استعمال کی ہیں۔ مثلاً طریقت اور شریعت میں عملاً کوئی فرق نہیں دونوں ایک ہی نظریہ کی دو مختلف شکلیں ہیں۔ جن کا منشا ومقصود بھی ایک ہی ہے۔ جس طرح علی ہجویری داتا گنج بخشؒ نے بھی لکھا ہے کہ شریعت خود حقیقت ہے اور حقیقت شریعت کا دوسرا نام، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ شریعت اور طریقت

ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں۔ وہ غلط ہیں جو کہتے ہیں کہ دونوں کا قیام ایک دوسرے کے بغیر یعنی علیحدہ علیحدہ بھی جائز ہے۔اسی طرح ابو سلمان درانی (متوفی ۲۱۵ھ) فرماتے ہیں۔

''بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صوفیاء کے نکات میں سے کوئی نکتہ کئی کئی دن تک میرے دل میں وارد ہوتا رہتا ہے مگر میں اسے دو عادل شاہدوں یعنی کتاب اور سنت کی تائید کے بغیر قبول نہیں کرتا''

ابو حمزہ محمد بن ابراھیم بغدادی (۲۸۹ھ) بھی فرماتے ہیں۔'' اللہ کی راہ کی طرف رسول اللہؐ کے احوال، اقوال اور افعال کی تابعداری کیے بغیر کوئی راہنمائی نہیں ہو سکتی''

شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی جو فلسفہ وحدت الوجود کے بانی سمجھے جاتے ہیں بھی لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے احوال وافعال کی تابعداری کرنا اپنے اوپر لازمی سمجھو سوائے ان امور کے جن کے بارے میں آپؐ نے وضاحت فرمائی ہے کہ وہ صرف آپؐ کی ذات کے لئے مخصوص ہیں اور ہمارے لئے ان کا کرنا جائز نہیں۔عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ ابن عربی فرماتے ہیں کہ جس نے ایک حصہ بھی شریعت چھوڑ دی وہ ہلاک ہو گیا۔ مذکورہ بالا ساری بحث کے نتیجے میں یہ سچائی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ صوفیا حضرات نے شریعت رسولؐ کی پابندی کے ضمن میں اپنے اپنے مزاج اور سمجھ کے مطابق طرح طرح کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔مگر مقصد ایک ہی رہا ہے۔ان اصطلاحوں کو کم کوش اور سہل پسند فقرا نے اپنی اپنی بساط اور رویہ کے مطابق اپنے اپنے حلقہ ارادت ورسوخ میں رائج کر دیا جبھی تو غیروں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلامی تصوّف زندگی کی حقیقی مشقتوں سے گریز کی تعلیم دیتا ہے جبکہ تصوّف عین اتباع نبوت ہے اور اطاعت نبوت عین اطاعت اللہ ہے۔ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ نبی آخر کی تعلیم پر عمل تو ایک کمزور شخص کو بھی طاقتور بنا کر رکھ دیتا ہے کہ سوائے اپنے اللہ کے اور کسی سے ڈرتا ہی نہیں اور جو اللہ کے خوف سے جیتا ہے اس سے بڑا قوت اور شوکت والا کون ہے۔علاّمہ اقبال نے جبھی تو لکھا ہے

وہ نبوّت ہے مسلماں کے لئے برگِ حشیش
نہ ہو جس نبوّت میں قوّت و شوکت کا پیغام

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا قول ہے کہ "طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں ان کے درمیان بال برابر بھی مخالفت نہیں ہے۔ فرق صرف اعمال تفصیل اور استدلال کا ہے جو چیز بھی شریعت کے خلاف ہے وہ مردود ہے۔"

## سورۃ مزّمّل اور صوفی

صوفی چونکہ ذکر اللہ اور شکر اللہ میں مشغول زندگی گذارتا ہے بالخصوص وہ سحر خیری کو اوّلیت دیتا ہے کیونکہ سحر خیزی میں عبادت کا روحانی لذت انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ سالک کی زبان سے نکلنے والے الفاظ کی شکل اور صلہ میں ملنے والی قبولیت، انسان کی دن بھر کی فضل اللہ کی تلاش میں مصروفیت کا ذکر اور ذکرِ اللہ میں ہمہ وقت محو رہنا سب کچھ اس سورۃ میں ملتا ہے۔ وہ لوگ جو ایک سالک کو کسی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں یا مذاق کرتے ہیں اس کی سادگی پر یا کم مائیگی پر انگلیاں اٹھا اٹھا کر اسے پست حوصلہ کرنے کی کوششیں کرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ان کو چھوڑ دو اللہ ان سے خود نپٹ لے گا۔ پھر دنیا کی رنگینی میں کھونے والوں کا ذکر، قیامت کے دن کفار اور جھوٹے لوگوں کا حشر، شب بیداری میں قرآن پڑھنا اور کس قدر پڑھنا، سب عبادتوں کا ذکر اس سورۃ میں ہمیں ملتا ہے۔ کیونکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ لوگ بیماری کی وجہ سے یا کچھ اپنے دنیاوی معاملات کو نپٹانے کے سلسلے میں کہیں سفر میں یا جہاد میں مصروف ہونے کی بنا پر شب بیداری نہیں کر سکتے اس لئے ان کو معافی بھی دی اور کہا کہ اپنے رب جو کہ واحد و لاشریک ہے سے استغفار کرتے رہو کہ وہ تمھاری عبادتوں کو قبول کرے اور یہ کہ تمھیں بخش دے۔

اللہ کا سب سے اہم حکم اور دین کا اہم رکن کہ انسان کہاں تک خود مختار ہے کا جواب بھی سالک کو اسی سورۃ مبارکہ میں ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہم نے آپ کو بتا دیا ہے اب آپ کی مرضی ہے اور اختیار ہے کہ جی چاہے تو سیدھا راستہ اختیار کرو اور جی چاہے تو دنیا کی محبت میں کھوئے رہو۔ اس سورۃ مبارکہ کے سمجھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی خودمختاری اور مجبوری کے توازن کو جاننا ہی تصوّف کی بنیاد ہے کیونکہ انسان نہ تو محض مجبور ہے اور نہ بے مُہار خودمختار۔ وہ اپنے ارادوں پر جیتا ہے اور اس کے ارادے غیر محدود نہیں ہوتے احکامات ربی کی پابندی کے اندر اندر ہوتے ہیں۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن ہے فقط احکام الٰہی کا پابند

سالک کی ابتدائی تعلیم اگر مذکورہ سورۃ پاک کی روشنی میں صحیح سمت پر کی جاوے تو پھر اسے کوئی بھی تعلیم و تبلیغ راہ حق وفلاح سے ہٹا نہیں سکتی ہے۔ اسی لئے راہِ سلوک اختیار کرتے وقت پیرِ طریقت کا انتخاب بڑی ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے لئے مرید کو مرشد اسطرح تلاش کرنا چاہیے جیسے حضرت سلطان باہوؒ انتالیس سال تک مرشد حق کی تلاش میں رہے مرید کو رسمی طور پر پیر سے بیعت نہیں کرنی چاہیے بلکہ صرف اور صرف مرشد حق کے میسر آنے پر اسے یہ اہم فیصلہ کرنا چاہیے۔ یہاں پھر یہی عرض کیا جاوے گا کہ ایسا ہونے اور ایسا مقام پانے کیلئے علم بہت ضروری ہے کہ میں کیا ہوں اور مجھے بیعت کی ضرورت کیوں ہے اور یہ کہ جس شیخ کی میں بیعت کر رہا ہوں کیا وہ کامل مرد مومن ہے بھی۔

ایک مرید نے اپنے شیخ سے پیر کامل کی پہچان کا پوچھا تو فرمایا پیر کامل کی پہچان تو خیر بعد میں ہوتی ہے۔ بادنی النظر میں یہ دیکھو کہ اگر پیر صاحب کے گھر کا خرچہ مریدین پورا کر رہے ہیں تو یہ تجارت ہے اور اگر آستانہ پر آنیوالوں کی خدمت گھر سے ہو رہی ہے تو پیر کامل ہے یعنی پیر صاحب کی عام ثقافتی اور معاشرتی زندگی کا معیار وطرز کا جاننا بہت ضروری ہے ایک کامیاب بیعت کیلئے۔

## علم اور صوفی

صوفیائے اکرام کے علمی فراز کا اندازہ حضرت جنید بغدادی کے متعلق آپ کے ہم عمر حضرت ابوالقاسم الکلبی کے درج ذیل بیان سے لگایا جا سکتا ہے ''میں نے بغداد میں ایک ایسا شخصِ طریقت دیکھا جس کی نظیر میری نظر سے کہیں نہیں گزری۔ ادباء اس سے علم حاصل کرتے ہیں، انشاء پرداز اس سے طرزِ نگارش سیکھتے ہیں، فلاسفر اس کے افکار سے مستفیض ہوتے ہیں اور ان باتوں پر مستزاد یہ کہ اس کی گفتگو سامعین کے علم اور ذہن سے بلند ہوتی ہے''

دنیائے تصوف میں مومن صرف اسے ہی مانا جاتا ہے جو دوسروں کو امن دینے والا ہو کیونکہ اس کا ہر فعل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے اور وہ خود کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیکھتا ہے اور مومن کا ہر فعل جو مطابقِ شریعت ہے اللہ کی راہ کہلاتا ہے۔ تبھی اس کا اٹھنا بیٹھنا حتیٰ کہ سونا بھی عبادتِ الٰہی میں شمار ہوتا ہے۔

# صوفی کی زندگی

حکم اللہ ہے تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیز (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جسے تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں۔ انسانی روّیوں پر یہ شرط لگا دی گئی ہے کہ اگر کوئی چیز خواہش، تمنا یا پھر عملِ انسان کو محبت خدا سے زیادہ پیارا ہو تو وہ شخص جان لے کہ اس کا محبت الٰہی رکھنے کا دعوی جھوٹا ہے جب تک کہ محبتِ الٰہی، طلب حق عشقِ خدا ہر چیز پر غالب نہیں آجاتے ایک فقیر اور صوفی ایسے طرزِ زندگی میں ہر وقت مصروف رہتا ہے کہ باقی سب چیزیں اس کے قریب فانی ہوتی ہیں۔ ایک محبتِ اللہ ہی غیر فانی ہے۔ کیونکہ صوفی ابدی غیر فانی اور ابدی محبوب کو تلاش کرتا ہے، اس کی چاہت میں تکالیف برداشت کرتا ہے۔ اس کے نام کے ذکر میں فرحت وخوشی پاتا ہے لہٰذا محبوبِ حقیقی کی تلاش میں نکل کر خود حق کا محبوب بن جاتا ہے۔ صوفیا کرام اور فقراء حضرات اس تلاش محبوب میں اپنی ذات محبتِ دنیا، گناہ وثواب، اقتدار وعزت، امیر وحاکم اور بہشت ودوزخ سب سے بے نیاز ہو کر رہتے ہیں۔ جب صوفی کو یہ مقام یا حالتِ مذکورہ حاصل ہو جاتی ہے تو اسے بقا باللہ کا مقام کہا جاتا ہے تو ظاہر ہے جو اللہ کے ساتھ رہ رہا ہے اس کی شان تو پھر الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی نا اور اگر اظہار کیا بھی جائے گا تو کوئی ایسا ہی شخص کر سکتا ہے جو اس مقام پر یا اس مقام کی حیثیت یا لذت سے آشنا ہو۔ تبھی وہ کچھ کہہ سکے گا۔ لیکن یاد رہے کہ بیان کے یہ الفاظ کبھی بھی اصل لذت اور مشاہدہ کا نعم البدل نہیں ہو سکتے۔ بالکل اس طرح جس طرح خوشبو کا صرف ذکر کیا جا سکتا ہے شرینی کی لذت کا ذکر کیا جا سکتا ہے لیکن یہ دکھائی نہیں دیتی اور جب تک خود نہ دیکھا جائے اس کی پہچان مشکل ہوتی ہے۔ اصفیاء ایسے طرزِ زندگی کو اصطلاحاً ترکِ ہستی، ترکِ دنیا، ترکِ عقبیٰ سے موسوم کرتے ہیں اور اپنے مریدوں کو تعلیم بھی ایسی ہی فرماتے ہیں۔ (العمران ۹۲)۔

# انسانوں کا گروہ اور صوفی کی فکر

## (سورۃ فاتحہ وسورۃ البقرہ)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے آغاز میں ہی بتا دیا ہے کہ ہم نے یہ ہدایت نامہ یعنی قرآن مجید ان لوگوں کی راہنمائی کے لئے بھیجا ہے جو ایک کامیاب اور با مقصد زندگی گزارنے کی آرزو رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ہمہ وقت ہدایت مانگتے رہتے ہیں اسے لوگوں کی اقسام وصفات یہ گنوائی ہیں کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں ۔ کیونکہ انسانی زندگی کے سارے عناصر 99% انسانی نظروں سے غیب ہوتے ہیں صرف ایک فیصد ہی انسان کو نظر آتے ہیں مثلاً انسان کو ایک بچے کی پیدائش نظر آتی ہے۔ مگر اس بچے کو کب سے اور کیسے کیسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنا شروع کیا تھا یا ماں کے پیٹ میں کیسے کون اور کب خوراک دی جاتی تھی ۔ سب عوامل غیب میں عمل پذیر ہوتے ہیں یہ لوگ پھر یہ سوال بھی نہیں کرتے کہ بتاؤ خدا کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ نظر کیوں نہیں آتا؟ وغیرہ وغیرہ ۔ پھر نماز پڑھتے ہیں، اس کی پابندی کرتے ہیں اور نماز کی شرائط وفوائد کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی ادائیگی کرتے ہیں اور یہ نماز یقیناً وہی نماز ہے جو ابن عبداللہ حضرت محمد مصطفیؐ نے پڑھ کر بتائی اور ہمیں پڑھنے کا حکم دیا۔ دل کی نماز پڑھنے کی اصطلاح نماز نہ پڑھنے والے لوگوں کی اپنی اصطلاح ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب اور اس کے بھیجے ہوئے رسول نے دل کی نماز کا نہ کہیں ذکر کیا ہے اور نہ ظاہری نماز کبھی اس لئے چھوڑ دی کہ انہوں نے اس دن دل کی نماز پڑھ لی تھی ۔ دل کے اس عمل کو ذکر اللہ کا نام ضرور دیا ہے جو نماز کا نعم البدل ہرگز نہیں بتایا گیا بلکہ ایک زائد ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو۔ اگر کہیں بھی دل کی نماز کا ذکر حضور اکرمؐ نے کیا ہوتا تو نہ تاریخ خاموش ہوتی اور نہ شریعت ۔ کوئی بھی حدیث اس ضمن میں پیش نہیں کی جا سکتی ۔ دوسرا یہ کہ اگر حضور پاکؐ ایسا کرتے تو شریعت محمدی کی نماز والی راہ بھی مختلف ہوتی ۔ پھر فرمایا کہ راہ ہدایت حاصل کرنے والے ایسے ہیں کہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان کو دیا جاتا ہے۔ مثلاً تن، من، دھن، علم واختیار وغیرہ تو اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس طرح خرچ کرتے ہیں جس طرح نبی آخرؐ نے انہیں واضح کر کے بتایا۔ آگے فرمایا کہ وہ لوگ

اس کتاب پر ہی نہیں بلکہ اس سے پہلے اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی کتابوں اور نبیوں پر بھی ایمان لاتے ہوئے یقین کرتے ہیں۔ کہ مرنا ہے اور مر کر جینا ہے جہاں ہمیں اپنے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور اس زندگی کا حساب کتاب دینا ہے۔ اسی لئے اس زندگی کو ایک گذران جانتے ہیں کہ کہیں غلطی، کوتاہی یا سستی نہ ہو جائے اور اگر جب کہیں ایسا اُن سے ہو جاتا ہے تو وہ اپنے رب سے استغفار کر لیتے ہیں۔۔ اس طرح یہ اوصاف تو ان لوگوں کے لئے بتائے جو ہدایت حاصل کرنے والے ہیں۔ آگے ان کا بھی ذکر کیا کہ جو لوگ اس قرآن سے دور ہو گئے ہیں وہ اس طرح دور اور بے کار ہیں کہ وہ ہدایت حاصل کرنے کا سوچتے ہی نہیں۔ چونکہ وہ احکاماتِ الٰہی سے بے نیاز ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان سے یکسر بے نیاز ہو گیا ہے۔ وہ ایسے کہ وہ ان کے انسانی اعضاء جن سے علم و ہدایت حاصل کر سکتے ہیں یعنی دل، کان اور آنکھیں وغیرہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک عضوِ معطل بنا کر رکھ دیا ہے۔ وہ ان اعضاء سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو سورۃ فاتحہ کے آخر میں (ولا الضالین) کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یعنی ایک تو وہ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات سے نوازا کہ انہوں نے زندگی اسی طرح سے گزاری جیسے انہیں ہدایت دی گئی تھی۔ دوسرے وہ جو نافرمان ہو کر اپنی مرضی کی زندگی گزارتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا غضب نازل فرمایا۔ تیسرے وہ لوگ تھے جو اپنی راہ بھول گئے تھے یہی وہ مقامِ تفریق ہے جہاں پر صوفی اپنا اور اپنے کردار و عمل کا جائزہ لے کر فیصلہ کرتا ہے کہ وہ کس گروہ میں ہے اور پھر اپنے حلقہءِ ارادت میں بیٹھنے والوں کو بھی نہ صرف آگاہ کرتا ہے بلکہ تعلیم بھی دیتا ہے۔ ظلمت سے نکلنے کی راہِ روشن دکھاتا ہے۔ جس میں یہ مریدین جی کر فلاح کا سفر طے کرتے ہیں۔ اگر صوفی خود بے علمی اور بے عملی کا شکار ہے، راہِ ہدایت سے بھٹکا ہوا ہے، خود صراطِ مستقیم نہیں پا رہا تو مریدین کو بھی جہالت کی طرف ہی لے جائے گا۔ اس لئے صوفی اپنا احتساب خود کرتے ہوئے تعین کرتا ہے اور خود کو یقین دلاتا ہے کہ وہ صراطِ مستقیم پر ہے نہ کہ خود ساختہ ''مُفلحون'' میں شامل ہے جیسے یہودی خود کو بتاتے ہیں۔ اسی لئے صوفیا اکرام کہتے ہیں کہ ساری صفات صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہیں جو ہماری عبادت، نماز، دعاؤں اور طلب کرنے سے بالکل بے نیاز ہے۔ کیونکہ اُس نے ہمیں ساری نعمتوں سے بے طلب نواز رکھا ہے۔

## صوفی اور کم خوراکی

ایک صوفی مفلسی وہ غربت کی زندگی خود اختیار کرتا ہے وہ مختلف وسائل میسر ہوتے ہوئے اوران کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک آرام دہ زندگی گزار سکتا ہے مگر ایسا اس لئے نہیں کرتا ہے کہ آرام کی زندگی بھلے وہ آرام دہ بستر کی زندگی ہو یا بہتر لباس وسواری کے روپ میں وہ اسے خالق سے بے خبر کر کے تھوڑی عمر کی زندگی کے فانی اوصاف میں یوں گم کر دے گی کہ نہ اسے یہ دنیا مل سکے گی ( کیونکہ اسے پتہ ہے کہ ایک دن اسے مرنا ہے ) اور نہ اسے اپنے مالک و خالق (جس کے سامنے اسے پیش ہونا ہے ) کا شکر و عبادت کرے اور آخرت کے دن کے لئے تیاری کا وقت دے گی اس لئے وہ محتاجی کی زندگی اختیار کرتا ہے۔

لہٰذا صوفی اپنے دستر خوان کو مختصر رکھتا ہے۔ لباس کو صرف اتنی اہمیت دیتا ہے کہ اس کی ستر پوشی ہو جائے اور دنیا کو صرف اتنی اہمیت دیتا ہے کہ جسم اور روح کا رشتہ برقرار رہے اور وہ ایسا اس لئے کرتا ہے کیونکہ وہ اس چیز پر ایمان رکھتا ہے کہ دنیا کی آسائشوں کے ساتھ رہنے والوں اور بسیار خوروں کو اللہ تعالیٰ نے چوپایوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ لہٰذا ایسے انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے اور ناشکروں کا ٹھکانہ جہنم ہے چہ جائیکہ وہ قربِ الٰہی کی امید رکھیں۔ (سورۃ محمدؐ آیت نمبر ۱۲)

## صوفی اور خواب

خواب میں دیکھے جانے والے حالات کی صداقت خواب دیکھنے والے کی ہستی اور حیثیت سے مشروط ہے چونکہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب دیکھا جو عین بعین سچ نکلا۔ حضور اکرمؐ نے بھی خواب دیکھا حضرت یوسفؑ نے خواب دیکھا خواب دیکھ کر اس کی تعبیر کرنا خواب دیکھنے والے کی روحانی کیفیت پر منحصر ہے کہ وہ اپنے آپ کو کس پیرائے میں رکھ کر تعبیر نکالتا ہے۔ یہی خواب کے مناظر جب ایک شخص دوسرے کو بتاتا ہے اور دوسرا تیسرے کو تو نہ صرف الفاظ بدل جاتے ہیں بلکہ معنی بھی کچھ کے کچھ بن جاتے ہیں اور پھر ایسے خوابوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو خواب دیکھنے والے پر طرح طرح کا گمان ہونے لگتا ہے۔ جہاں پر ایسا لگتا ہے کہ یہ غالباً سچ نہیں بلکہ محض ایک خود سے تراشا ہوا واقع بیان ہو رہا ہے۔

خوابوں کی تعبیر بتانا کچھ آسان نہیں یہ علم بڑا ہی پیچیدہ اور گہرے روحانی مطالعہ کا تقاضا کرتا ہے۔ اللہ کے بندوں نے خواب کی تعبیر بتانے والے کو اعلیٰ معیار کی احتیاط کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ کوئی معمولی علم نہیں ہوتا ہے یہ مومنوں اور غیر مومن لوگوں کے دلوں پر اللہ کے حکم کے افشا کرنے کا طریقہ ہے۔ اور نیک و بد سے آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔

خوابوں کا علم ایک بیش بہا علم ہے اس کیلئے انسان کا نیک اطوار ہونا پابندی شریعت کم گوئی کم خوراکی اور کم مجلسی ضروری ہے کیونکہ خواب کی تعبیر دینا فن پیغمبری ہے۔ یہ نبیوں کا شیوہ رہا ہے کہ وہ لوگوں کے خوابوں کی تعبیر بتائیں۔ یہاں صرف اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ خواب دیکھنا اگر ایک سچائی ہے تو خواب کی تعبیر بھی ایک سچائی ہے یہ اور بات ہے کہ تعبیر بتانے والے نے غلطی کر دی ہو۔

یہ امر مجموعی طور پر مسلمہ ہے کہ ان خوابوں سے اللہ کی غرض و غایت یہی ہوتی ہے۔ کہ وہ راہ حق پر چلنے والوں نیک خصلت لوگوں کو اور راہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ مستقیم کی جانب گامزن کرے۔ ایسے واقعات میں سے صرف دو اس جگہ نقل کیئے جاتے ہیں۔ قارئین خود کتاب وسنت اور شریعت کو سامنے رکھ کر اس کا نتیجہ اخذ کریں۔

''حضرت عباس بن عبدالمطلب سے روایت کرتے ہوئے انب سعد طبقات میں لکھتے ہیں کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے دوست تھے جب ان کا وصال ہوا تو ایک سال تک میں دعا کرتا رہا کہ مجھے ان کی یعنی حضرت عمرؓ کی زیارت نصیب ہو جائے۔ آخر ایک سال پورا ہونے کے بعد ان کی زیارت نصیب ہوئی تو دیکھا کہ آپ پیشانی سے پسینہ صاف فرما رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ حساب وکتاب سے اب فارغ ہوا ہوں اور اگر میرا رب رؤف ورحیم نہ ہوتا تو میری عزت خاک میں مل جاتی'' دوسرے واقعہ میں بھی ابن سعد نے عبداللہ بن عمر بن عاص سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مجھے (یعنی عبداللہ بن عمر بن عاص) بڑا شوق تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملے پر اطلاع پاؤں۔ ایک روز خواب میں ایک محل دیکھا میں نے پوچھا کہ یہ کس کا ہے۔ ابھی میں پوچھ ہی رہا تھا حضرت عمرؓ اس میں سے نکلے۔ آپ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غسل فرما کر آ رہے ہیں میں نے

دریافت کیا کہ معاملہ کیسا رہا تو آپ نے فرمایا۔ اگر میرا رب رؤف و رحیم نہ ہوتا تو میری بے عزتی ہو جاتی۔ بارہ سال تم سے جدا ہوئے ہو گئے ہیں اور آج حساب سے فارغ ہوا ہوں۔

قارئیں دیکھا آپ نے ایک خواب میں ایک سال کا عرصہ برائے حساب کتاب درج ہے اور دوسرے میں بارہ سال کا۔ اب کسے قبول کیا جائے۔ پھر جسے بھی قبول کریں گے اس کی صداقت کی تلاش ایک علیحدہ مشکل مرحلہ ہوگا اور ایسا اس لیئے ہے کہ راویوں نے بعض جگہوں پر بہت ہی مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ یہاں پھر ہمیں دہرانا پڑ رہا ہے کہ ایک صوفی خود کو واپس حضور اکرم کی زندگی کی روشنی میں جھانک کر دیکھ کر فیصلہ کرے گا کہ اسے کون سا روّیہ اپنانا چاہیئے اور اسی جستجو کے مرحلہ پر جو انداز اپنایا جاتا ہے۔ وہی صوفیاً کرام میں اختلافات کا چشمہ بن کر مختلف مکاتب فکر اور مسالک کو جنم دیتا ہے اور مجبوراً ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ جو کوئی بھی جو کچھ سمجھ کر جو کچھ کر رہا ہے وہی بہتر کر رہا ہے۔ کون سمجھائے اور کس کو سمجھائے بس۔۔۔

اللہ ہی اللہ کیا کرو دکھ نہ کسی کو دیا کرو
جو دنیا کا مالک ہے نام اسی کا لیا کرو

مذکورہ بالا حضرت عمرؓ کے واقعہ قبر کی حقیقت کو سامنے رکھ کر جاننا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور یہ کہ وہ شہید ہوئے۔ اور شہید کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس کے قطرہ خون کے زمین پر گرنے سے پہلے اسے جنت الفردوس میں پہنچایا دیا جاتا ہے۔ پھر حضور اکرم کی یہ حدیث و فرمان بھی نہ بھولیئے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ جدھر سے عمرؓ گزرتا ہے شیطان آگے آگے بھاگ کر جان بچاتا ہے۔

## صوفی کے لئے رائے

لوگوں کو چاہئے کہ بوڑھے اور عمر رسیدہ لوگوں کی اصلاح کے پیچھے نہ پڑیں بلکہ نوجوانوں کو اپنے قریب لائیں۔ جو سچے دل کے ساتھ آداب سیکھنا چاہتے ہیں۔ جو بحث اور مناظرہ میں نہیں پڑتے اور نہ ہی مذہبی تعصب رکھتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی

کوئی نئی چیز معاشرے میں متعارف کروائی جاتی ہے بوڑھے سب سے پہلے مخالفت کرتے ہیں اور نوجوان اسے قبول کرتے ہیں. سورۃ الکہف (آیت نمبر 13) میں ہے وہ جوان لوگ تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اور اضافہ کر دیا۔ سورۃ انبیاء 60 میں ہے۔ ہم نے ایک جوان کو بتوں کا ذکر کرتے سنا (حضرت ابراہیمؑ)۔ اس لئے جوانوں کو حلقہ تصوف میں داخل کرنے پر زور دینا چاہیئے۔

# فقر کی اہمیت

قاضی عیاض اپنی کتاب ''شفاء'' میں لکھتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام اُون کے کپڑے پہنتے تھے، بالوں سے بنے ہوئے بستر پہ سوتے اور جو کی روٹی نمک لگا کر کھاتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے کہا آپ سواری کے لئے گدھا لے لیجیے تو آپ نے جواباً فرمایا" میں اِس کے بغیر بھی اللہ کے نزدیک مکرم ہوں"۔ رہنے کے لئے آپ کے پاس کوئی مکان نہ تھا۔ آپ بالوں کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے' درختوں کی چھال اور پتے وغیرہ کھا کر گذر بسر کر لیتے تھے۔ اُن کے قریب یہ بات بہت ہی پسندیدہ تھی کہ لوگ انہیں مسکین کہہ کر پکاریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ سبزیاں اور پتے کھاتے کھاتے آپ کی کیفیت یہ ہوگئی تھی کہ سبزیوں اور ساگ پات کی سبزی پیٹ میں نظر آنے لگتی تھی۔ وہ ایک چھپر تلے آرام فرماتے۔ پتھریلی جگہوں پر گڑھوں سے جانوروں کی طرح پانی پی لیتے تھے۔ وہ اتنے عجز اور انکساری سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کلیم اللہ ہونے کا شرف بخشا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کھانا تازہ گھاس تھا۔ آپ خوفِ خدا سے اتنا روتے تھے کہ رخساروں پر آنسو بہنے لگتے۔

انبیأ علیہم الصلاۃ وسلام نے فقر و فاقہ کو معمول بنا رکھا تھا اور لذاتِ دنیا سے منہ موڑ کر اللہ کی خوشنودی کے لئے ہمہ وقت اس کے ابدی پیغام کی تبلیغ اور کرۂ ارض پر اس کے حکم کی تنفیذ کی سعئ جمیل میں مشغول رہتے تھے۔ سورۂ انفال میں اسی حقیت کا واضح اعلان ہے۔ ارشادِ باری ہے۔ "یآ ایہا النبیُّ حَسْبُکَ اللہُ وَمَنِ اتبعک من المومنین" اے نبی آپؐ کے لئے اللہ جل شانہٗ کی ارفع ذات اور آپ کی پیروی کرنے والے اہلِ ایمان ہی کافی ہیں" اور فرمایا" تم دنیوی مال و فعال کی خواہش کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کی نعمتوں کو پسند فرماتے ہیں اور اللہ غالب وحکیم ہے"

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرمؐ کبھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھاتے تھے اور آپ نے کبھی اس بات کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ کیونکہ آپؐ غنا کے مقابلے میں فقر اور شکم پروری کے مقابلے میں بھوک کو زیادہ محبوب اور پسندیدہ سمجھتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ فقر و فاقہ کو عیش سامانی پر ترجیح دی۔ آپ کو بھوک سے یوں نڈھال دیکھ کر میں رو پڑتی اور حضور سے کہنے لگتی کاش ہمیں گذر بسر ہی کی حد تک کھانے پینے کا سامان میسر ہوتا زیادہ نہ سہی۔ میری یہ بات سن کر آپؐ نے فرمایا اے عائشہ ہمیں دنیا سے کیا غرض، مجھ سے پہلے میرے بہت سے بھائی جو جلیل القدر پیغمبر تھے اس دنیا میں آئے انہوں نے مجھ سے زیادہ سختیاں برداشت کیں مگر صبر کیا اور اسی حال میں اپنے خدا سے جا ملے وہاں انہیں بلند مقامات سے نوازا گیا اور طرح طرح کی نعمتیں ان کو عطا کی گئیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ مجھے اس دنیا میں فراخی دے دی جائے اور آخرت کی لازوال نعمتوں میں کمی آ جائے۔ عائشہؓ مزید فرماتی ہیں کہ اس گفتگو کے بعد آپؐ بمشکل ایک ماہ ہم میں رہے ہونگے کہ آپؐ کا وصال ہو گیا۔

اس حال میں رہنے سے ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضور اکرمؐ کوئی انتہائی مفلس اور بے سروسامان حیثیت کے مالک تھے۔ ایسا نہیں تھا بلکہ حصور اکرمؐ ایک اچھی خاصی مالی حیثیت رکھتے تھے۔ مالی وسائل بھی دستیاب تھے۔ تجارتی اور کاروبار کی انتظامی صلاحیتیں بھی رکھتے تھے اور انہوں نے اس شعبہ میں عملی طور پر دوسرے بڑے بڑے جگادری کاروباری حضرات سے اپنا لوہا بھی منوایا۔ جس کی بیّن دلیل حضرت خدیجہؓ کا حضورؐ کو شادی کا پیغام بھجوانا اس عملی منافع حاصل کرنے کے بعد کا تھا جو آپؐ نے ان کا مال دیگر ملکوں میں لے جا کر فروخت کیا اور حاصل شدہ رقم سے وہاں سے اشیاء خرید کر مکّہ میں لاکر فروخت کر کے منافع کمایا تھا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضورِ اکرم اپنی محنت، عمل اور صلاحیت رکھنے کی وجہ سے جو کچھ بھی کماتے تھے وہ دوسروں کے لئے ایثار و قربانی کے جذبے کے تحت اُن کی حاجت روائی کے لئے خرچ کر دیتے۔ انہوں نے دنیاوی مال و متاع اور عیش و راحت سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کیا۔ کیونکہ دنیاوی ساز و سامان اور عیش و عشرت کی خواہش انسان کو خدا کی یاد اور حق کی حمایت سے غافل بنا دیتی ہے۔

کیا حضور اکرمؐ کوئی مفلس شخص تھے یا امیر ہستی؟۔ ان خیالات کا ایک قاری کے دل میں پیدا ہونا فطری عمل ہے۔ ایسے ہی خیالات پر امام قسطلانیؒ اپنی کتاب ''مصائب'' میں کہتے ہیں۔ نبی اکرمؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے بارے میں ایک طرف تو روایات میں یہ آتا ہے آپ کئی کئی وقت بھوکے رہتے تھے۔ کھانے کے لئے آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کھجوریں کھا کر گزارہ کر لیا اور کبھی یہ بھی نہیں ہوتی تھیں تو صرف پانی پی لیا اور دوسری طرف یہ ملتا ہے کہ فلاں صحابی نے اپنے گھر والوں کو سال بھر کا روزینہ ایک ہی بار دے دیا۔ آپؐ نے اپنے ساتھیوں میں چالیس اونٹ تقسیم فرمائے کہیں یہ ذکر ہے کہ آپؐ نے عمرہ کے دوران سو اونٹ ذبح کئے۔ کسی صحابی کو بکریوں کا ریوڑ عنایت فرمایا۔ آپؐ کے ساتھیوں میں سے بھی بعض ایسے ساتھیوں کے واقعات کثرت سے ملتے ہیں جو صاحبِ ثروت تھے۔ مثلاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور دوسرے جنھوں نے بہت سارے مواقع پر اپنے مال و دولت سے مسلمانوں کی مدد کی تو اگر یہ فراخی اور وسعت تھی تو کئی کئی روز تک بھوکا پیاسا رہنا، مہینہ مہینہ بھر گھر میں چولہا نہ جلنا چہ معنی دارد؟! اور اگر اتنی تنگ دستی تھی کہ کھانے پینے کے لئے بھی کچھ میسر نہ آتا تو داد و عنایت کیسی تھی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو عام آدمی کے ذہن میں الجھن پیدا کرتی ہے۔ لیکن عشقِ رسولؐ رکھنے والوں کے دل میں نہیں کیونکہ وہ فقر اور اللہ کی راہ میں بھوکے پیاسے رہنے کی اہمیت کو جانتے اور مانتے ہیں۔

امام طبریؒ نے اس کا بھی جواب دیا ہے۔ ''فتح الباری'' میں ہے کہ حضورِ اقدسؐ اور صحابہ کرامؓ کی اپنی جان پر یہ سختیاں اس لئے نہ تھیں کہ درحقیقت آپ حضرات نانِ شبینہ سے بھی محتاج اور عاجز و درماندہ تھے۔ ایسے اصحاب کی تعداد کم تھی جو واقعی انتہائی عسرت اور تنگدستی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اصل میں حضور اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کا بھوکا پیاسا رہنا انسانوں سے اس محبت و تعلق کی وجہ سے تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں پیدا کر دیا تھا کہ انسان سے محبت اور ان کی ضروریات کو پورا کرنا ہی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا ثبوت تھا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ہی حضور اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کا مقصدِ حیات تھا۔ جس کے حصول میں وہ ایثار و قربانی سے کام لیتے تھے کہ خود تو وہ بھوکے سوتے مگر دوسرے لوگوں کو

کچھ نہ کچھ کھلا کر سُلا تے تھے۔

ایک درویش اس دنیا میں خود اختیاری کی غربت میں جیتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دوزخ کی طرف جانے والوں کے ہجوم میں وہ لوگ اکثریت میں ہوں گے جو اس دنیا میں خوشحالی کی زندگی گزارتے تھے اور اس خوشحالی کی وجہ سے وہ اُس نورِ ہدایت سے دور ہوتے چلے گئے جو اُن کو اُن کے خالق کی اصل اور عظمت اور واحدانیت کی طرف نشاندہی کرتا تھا۔اس کی وجہ سے وہ ایک گناہ سے دوسرے گناہ کو جنم دیتے ہوئے مُشرک اور پھر اللہ سے بہت دور ہوتے چلے گئے۔ایک فقیر، ایک درویش یا ایک صوفی اس لئے فقیری کو اپناتا ہے کہ اس کی زندگی کی آسائشیں اسے اپنے اصلی مقام یعنی عبدیت سے بے خبر نہ کردیں۔لہٰذا وہ خود کو یاددہانی کرواتا رہتا ہے کہ کہیں یہ آرام دہ زندگی، مرغن کھانے، دبیز لباس، گرمی اور سردی کی شدت سے بچنے والے لوازمات اور سہولیات اسے اپنے خالق اور مالک سے دور نہ کردیں۔اس لئے وہ تھوڑا پانے پر صبر کرتا ہے جبکہ زیادہ ملنے پر شکر کرتا ہے اور لوگوں میں بانٹ دیتا ہے کیونکہ کثرتِ مال و آرام مالکِ حقیقی سے دوری کا سبب بننے والے معاملات میں سب سے اہم عنصر گنا گیا ہے۔اس لئے صوفی بے مائیگی اور کم مائیگی کو ترجیح دیتے ہوئے، غربت کو اختیار کر کے زندگی گزارتا ہے اور اپنے رب کا حکم ''فسبح بربک العظیم'' اپنے عظیم الشان رب کی تسبیح کرتے رہو (سورہ واقعہ ۴۵) بجا لاتا ہے۔صوفی اپنے گناہوں کی ہی مغفرت نہیں مانگتا بلکہ اپنے رب کی تسبیح بھی کرتا ہے اس لئے وہ اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے ہوئے یعنی ہر وقت اللہ کا ذکر اپنا شعار بنا لیتا ہے۔جس کو یادِ اللہ کا نام دیا جاتا ہے۔وہ غیر اللہ کی محبت کو دل سے محو ہونے عشق رسول اور اسم اللہ کے نور سے اپنے دل کو منور کرنے کی ہی دعائیں کرتا رہتا ہے۔درویشی کا یہ مقام بھی کسی کسی درویش کو نصیب ہوتا ہے اکثریت خود فریبی ہی کی زندگی گزارتی ہے۔

# نظریہ وحدت الوجود

نظریہ وحَدت الوجود کے قائل اور پیرو کاروں کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات انسانی لذات جسمانی اوراپنی ذات کے علیحدہ موجود ہونے کے احساس سے نجات پاسکتا ہےاورایسا کرلینے کے بعداللہ ہی کی ذات میں گم ہو جاتا ہےاس عمل کی تکمیل کا مرحلہ ایسے لوگوں کے قریب فنافی اللہ کی اصطلاح کے طور پر جانا جاتا ہے جہاں انسان اللہ تعالٰی کی ہستی ہی کا حصہ بن جاتا ہے، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ راہِ سلوک کے اکثر مسافروں یعنی اصفیاء نے اپنے روحانی سفر میں پانے والے مقام وحال کی کیفیت میں نظریہ وحدت الوجود پرغور فرمایا ہے وہ اس عقیدے کے قائل پائے جاتے ہیں کہ اس مسلے نے خلقِ کثیر کوگمراہ کررکھا ہے۔ "انسانِ کامل" کے مترجم فیض میراں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''صوفیا کے اس نظریہ سے اکثر اہلِ نفس وہوا شرعی حدود وقیود سے نکل کرالحادوزندقہ میں جا پڑے ہیں۔''

نظریہ واحدت الوجود ساری سمتوں کے دلائل اور جوازات کی صداقتوں سچائیوں اورحقیقتوں کے باوجود ایک انتہائی نازک مسلہ ہے جو عام فہم ہرگزنہیں ہے بلکہ اسے سمجھنے کیلئے خصوصی غوراورفکر کی ضرورت ہےاسے سچا کہنے یا حقیقی تسلیم کرنے کیلئے انتہا سے بھی آگے کی توجہ شیخ اورمرید کی ذات کواستغراق کی ضرورت ہوتی ہےظاہر ہےایسا غوریا عالم فکر یا ایسی قلبی کیفیت یامحویت اورادراک ہرکسی کونصیب نہیں کہ وہ یہ دعوٰی کر بیٹھے کہ واحد کثرت میں منتقل ہوگیا ہےاوراحدیت یا فلسفہ وَحدنیت پرایک نیا شوشہ چھوڑ دے۔ کہ اللہ واحدولاشریک کا پردہ اخفاءعام کردے جسے دیکھنا تودرکنارا سے سمجھنے کے لئے داعی خود بھی ابھی تلاش میں ہو۔

ابن عربی کے نظریَہ وحَدت الوجود کے مطالعہ کا گہرے انہاک اورغور وغوض کرنے سے یہ سچائی اورحقیقت سامنےآتی ہے کہ موصوف کئی جگہوں پرتضاد بیانی کرتے ہیں مثلاً ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ ولایت نبوت ورسالت سے افضل ہے۔اور پھر یہ کہ ہم نبی کے

مقام تک نہیں پہنچ سکتے وہاں ہمارا داخلہ ممنوع ہے اور یہ کہ نبوت ورسالت اور وحی ربانی کا دور ختم ہونے سے اولیاء کی کمر ٹوٹ گئی ہے کیونکہ وہ اپنی آگاہی کے لئے انبیاء کے محتاج ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ ابتدائی دورِ قبولیت توحیدِ وجودی یعنی وحدت الوجود میں "عالمِ سکر" میں کہہ گئے ہیں جو نظریہ وحدت الوجود پر بہت صحیح صحیح تبصرہ ہے، وہ لکھتے ہیں۔

''افسوس یہ شریعت (نظریہ وحدت الوجود) نابینوں کی شریعت ہے''

فرمانِ خداوندی ہے کہ جس طرح اپنے رزق و مال وعلم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں عنایت کیا ہے اس سے تم اپنے غلاموں کو اور خدمت گاروں کو دینے کے لئے تیار نہیں ہو اور اگر کچھ ان کو دیتے ہو تو پھر بھی وہ تمہارے برابر نہیں ہو سکتے۔ بعینہٖ اسی طرح اللہ تعالیٰ خالقِ مطلق ہے۔ بے شک مخلوق کو وہ کس قدر ہی اپنے فضل وکرم سے نواز کر بلند مرتبہ دے مگر وہ مخلوق اپنے خالق کے برابر نہیں ہو سکتی۔ سب کچھ اول وآخر اور ظاہر وباطن سے پیدا ہوا ہے اس طرح ہر شے میں جو حادث بھی ہے اور مخلوق بھی میں اللہ تعالیٰ موجود ہے (سورۃ نحل۔آیت نمبر ۷۱ تا ۷۵)۔ لہٰذا باوجود اللہ کثرت میں نظر آنے کے سب کچھ واحد ہے اور وہ واحد موجود ہے اور موجود رہے گا۔ نظریہ وحدت الوجود کے ماننے والوں کے اس نظریہ کی رو سے گویا واحد نے اپنی پہلی حیثیت (واحد) ختم کر کے دوسری حیثیت (کثرت) اختیار کر لی ہے۔ ہے نا مضحکہ خیز بات کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی حیثیت بدلنے والی ذات ثابت کر رہے ہیں۔ کس قدر ضعیف دلیل ہے بالخصوص جبکہ یہ بات طے ہے کہ خالق اور مخلوق دو الگ الگ حیثیتیں ہیں۔ خالق کا اختیار ہے کہ جس طرح چاہے رہے مگر مخلوق اس خالق کی محتاج ہی رہے گی۔ بے شک اس کا کچھ بھی مقام ہو جائے کیونکہ محتاج اور بے نیاز دو الگ الگ ہستیاں ہیں۔ جو ایک نہیں ہو سکتے جس طرح اس دنیا میں مالک کا غلام اپنی جسمانی ساخت، عقل، فن یا دیگر اوصاف میں اپنے مالک سے بے شک بہتر ہی کیوں نہ ہو وہ اپنے مالک کے برابر نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ وہ مالک ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے۔ اسی طرح انسان کو کتنے ہی اوصاف مل جائیں اور وہ خواہ کسی بھی مقام عبدیت پر فائز ہو جائے وہ اپنے اللہ کے برابر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ اس کو خدا نے پیدا کیا

ہے وہی اس کی حیثیت میں تبدیلیاں لاتا ہے اور مارتا ہے۔

ان لوگوں کی بنیادِ عقیدہ کمزور ہے اور دلیل ضعیف۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کے لئے ایسے کرتے (سرابیل) بنائے ہیں کہ موسم کی شدت سے ان کو بچا رکھتے ہیں۔ ایسی ڈھالیں بنائیں جولڑائی میں انہیں محفوظ رکھتی ہیں (سورۃ نحل آیت نمبر ۸۱) تو کیا اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ اپنے ہاتھوں سے خود بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم دیا، ہدایت دی، توفیق بخشی کہ وہ یہ سب کچھ کیسے بنائے۔ لہٰذا یہ نعمتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی جو اس نے ہمارے لئے پیدا کی ہیں جن کو ہم استعمال میں لاتے ہیں اور اس کا شکرادا کرتے ہیں نہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ناشکری پر اتر آئیں کہ اللہ تعالیٰ تو میرے اندر رہ رہا ہے جبکہ وہ لامحدود ہے لامکاں ہے۔ اور ہم اسے اپنے اندر جسم کے ڈھانچے میں قید کر بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کے ذہن کی تسلیم شدہ سچائی اور دلوں کا معلوم شدہ علم ہے، زبانوں کا ذکر ہے، عبادت گاہوں کا معبود ہے بھوکوں کا رازق ہے مانگنے والوں کو ہدایت لیکن یہ سب کچھ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ ذہنوں میں ہے نہ سینوں میں رہتا ہے نہ زبانوں میں رہتا ہے اور نہ مسجد وکلیسا اور کنشت میں رہائش پذیر ہے بس وہ ہے اور رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کے واضح اعلان و انتباہ کے بعد کہ اس جیسی کوئی شے نہیں یہ تصور رکھنا کہ اللہ کا انسانوں جیسا چہرہ بھی ہے، ہاتھ بھی ہیں، آنکھیں بھی ہیں محض خیالی گھوڑے دوڑانے کے مترادف ہے۔ جہاں تک تعلق ہے فرمانِ الٰہی کا کہ "اے ابلیس جس انسان کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اسے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا۔" تو یہ ایک استعارہ ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا آدم کو اپنے ہاتھوں سے بنانے کا مقصد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرح کے وجود کا مالک ہے اور ہماری طرح ہاتھ رکھتا ہے جن سے وہ کائنات کے کام چلا رہا ہے اسے کسی مشقت اور وقت کی ضرورت نہیں ہے کہ کسی کام کو کرنے کے لئے وہ کوئی اہتمام کرتا ہے اور پھر وہ کام شروع کر کے مکمل کرتا ہے کیونکہ اس کی حیثیت تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ کام ہو جاتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہے کوئی جو اللہ کو قرض دے۔ لہٰذا مذکورہ نظریہ (اللہ تعالیٰ کے ہم جیسے ہاتھ ہیں) کو لاگو کرتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کو قرض اپنی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے چاہئے۔ اسطرح تو اللہ محتاج

ٹھہرے گا۔ اور اللہ کی شان اللہ الصمد (بے نیازی) ختم ہو جائے گی کیونکہ وہ تو ضرورت مند ٹھہرے گا، اور ضرورت مند کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی چیز کی طرف میلان رکھتا ہے۔ اس طرح کے سلسلۂ فکر کو اپنانے سے نہ ختم ہونے والی اللہ تعالیٰ کی ضروریات پیدا ہونا شروع ہو جائیں گی اور عام انسان و مسلمان کھو کر کہیں کا نہیں رہے گا۔

ہر انسان اپنے شعور کی حد تک توحید یا وجودِ خداوندی کا قائل ہے۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کائنات میں کسی کی مثل نہیں وہ بڑی صفات کا مالک ہے اور عرش پر رہ کر دنیا بھر کو کنٹرول کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری سمجھ سے کہیں ارفع اور اعلیٰ ہے اور ہمارا علم اسی ذات نے عطا کیا ہوا ہے جو بہرحال خود لامحدود و لامکان ہے جبکہ ہمارا علم انتہائی محدود ہے۔

ایک شخص صرف انہی چیزوں کا سوچ کر خاکہ تیار کر سکتا ہے جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ رکھی ہوں جو ذاتِ باری تعالیٰ کو عالمِ موجود میں دیکھ نہیں سکتا اور پھر اس سے مشابہہ کوئی چیز بھی نہیں تو اس کا تصوراتی خاکہ پیش کرنا ایک بے نتیجہ کوشش ہی ہوگا اور اگر پھر بھی کوئی بضد ہے کہ اُس ذات کو اِس دارِ فنا پذیر میں دیکھا جا سکتا ہے تو اسے ہٹ دھرمی میں گوندھی پلی حماقت و جاہلیت ہی کہا جاوے گا اور کچھ نہیں۔ جب اس جیسی کوئی شے نہیں اور وہ کسی سے مشابہت نہیں رکھتا تو پھر اس کے بارے میں ذہن میں جو بھی خاکہ تیار کیا جائے گا یا تصور باندھا جائے گا سب کا سب محض خیالی ہوگا۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ اور یہ نہ بھولیں کہ ایک صوفی حق کی تلاش میں ہوتا ہے۔ کیا ہمیں حضرت موسیٰ علیہ سلام کیطرف سے طلب دیدار پر اللہ تعالیٰ کا جواب ''لن ترانی'' یاد نہیں کرتے رہنا چاہیئے۔

دوسرا گروہ یعنی وحدت الشہود کا قائل یہ جانتا ہے کہ اللہ تو دلوں کا حال بھی جانتا ہے وہ انسان کی باتیں سنتا ہے اور رزق کا بندوبست کرتا ہے۔ اس طرح علم و آگہی رکھنے والے انسان اس نظریہ کی حدود کو پھیلاتے ہوئے آگے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود تو ہے مگر دیکھا نہیں جا سکتا اور وہ اس قدر طاقت ور ہے کہ نہ تو وہ کسی مکان کی قید میں ہے نہ کسی زمان کی۔ وہ ہر طرح کے تعصب و میلان سے بالاتر ہے اس کو تغیر و تنزل کا سامنا ہو ہی نہیں سکتا اور یہ کہ کائنات کی کوئی شے یا اسکی حیثیت اس سے مخفی نہیں ہے۔ اللہ وجود کی قید سے

آزاد ہے کیونکہ وہ تو سراپا نور ہی نور ہے ایک اور طبقہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ باوجود یہ کہ ہر چیز اسی نے پیدا کی ہے مگر خود وہ بےصورت کہاں ہے کیسے ہے اور کیوں ہے کوئی نہیں جانتا وہ ہر چیز میں موجود ہونے کے باوجود نظروں سے غائب ہے۔ اس سارے جھنجٹ کا صحیح تجزیہ کرنے کے بعد کیا یہی ایک سچ سامنے نہیں آتا کہ کائنات بھر کے انسان بلا رنگ ونسل، عمر، جنس اور علاقائی اکائیوں کے اور علمی وعملی حیثیت کے جب کسی بھی پریشانی میں گھرتے ہیں یا مصیبت کا سامنا کرتے ہیں تو اس پریشان حالی سے باہر نکلنے کے لئے صرف جسے اللہ واحد ولاشریک کہا جاتا ہے۔ اسی قادرِ مطلق سے دعا کرتے ہوئے مدد مانگتے ہیں اور راہ نجات چاہتے ہیں۔ ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا عین فرمان خداوندی کے تحت ہے، کہ وہ بےمثل ہے اور وہ کسی شے سے مشابہت نہیں رکھتا۔ ھُوَ الاوّل والآخر والظاہر والباطن وھُوَ بِکُلِّ شیٍٔ علیم (الحدید ۳)

ظاہر ہے وہ اوّل تھا اور ہے تو اس نے عالم تخلیق کیا اور جب کچھ نہ ہوگا وہ ضرور ہوگا۔ چونکہ وہ نظر نہیں آتا تو مخفی ٹھہرا جسے سب انسان مانتے ہیں۔ جھگڑا تو سارا اس کے ظاہر نہ ہونے کا ہے کہ اگر وہ ظاہر ہے تو نظر کیوں نہیں آتا اور اگر کسی نے دیکھ لیا ہے تو وہ اس کے خدوخال بیان کیوں نہیں کرتا۔۔۔۔!

منصور حلاج کے اس تصوّر'' پر کہ میرے اور تیرے درمیان میری انانیت حائل ہے پروردگار تجھے تیری ہی ذات کا واسطہ جدائی اور راجد کی اس صورت کا تدارک فرما'' بےگُلاہ پھر کہتا ہے کہ منصور حلاج اپنی پست حیثیت سے بخوبی آگاہ ہے جو اس کی ذات میں بوجوہ اربعہ عناصر اور بحیثیت آدم وانسان پوشیدہ ہے۔ منصور اس ذاتِ الٰہی کی رفعتوں سے رشتہ جوڑ کر اپنی اس پستی سے بہ الفاظِ دیگر روگردانی کررہا ہے اور خود کو اس ذات کا حصہ بنا کر لوگوں میں پیش کرتا ہے کہ وہ بھی بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کی حیثیت ارفع و اعلیٰ ہے مگر مشروط اور وہ یہ ہے کہ وہ خود کو روح کے تابع کر لے اُسے تخلیق ونفس کے اعتبار سے صرف اسی حیثیت کی پہچان اور حصول وتکمیل کی خاطر جیئے نہ کہ وہ خود کو خالق یا خالق کا حصہ سمجھنے لگے۔

کم وبیش اسی طرز کا تبصرہ علامہ تیمیہؒ نے منصور حلاج کے تصوّر وحدت الوجود پر

کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ''ایک خاص جذبہ کی کیفیت سے اکثر سالکین دوچار ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک فرد اپنی انانیت اور احساس ذات کو اس درجہ تک اپنے محبوب میں گم کر دے کہ اسے اپنے وجود تک کا احساس نہ رہے اس طرح ایسا فرد نہ صرف عالمِ حواس میں سے بے نیاز ہو گیا بلکہ شرح سے بھی بے نیاز ہو گیا'' یہ نہ بھولیں یہ ایک ذہنی و قلبی کیفیت ہے جسمانی حیثیت نہیں۔

بے گلاہ اپنے مشاہدہ کی بنا پر پوری ذمہ داری سے یہ لکھتا ہے کہ رافعِ انانیت کے معنی یہ ہیں کہ ایک سالک اپنے ادنیٰ جذبات جو اربعہ عناصر کا خاصہ ہے جن کے اشتراک سے یہ انسان بنایا گیا ہے سے نجات پا کر ذکر اللہ میں اس قدر کھو جائے کہ اس کے دل میں سوائے اللہ کے کسی اور شے کے احساس کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ فنا کا یہ مقام یقیناً قابلِ حصول ہے لیکن ہر شخص کے بس کی یہ بات نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم فنا میں ردِ شریعت کے سب پہلو قابلِ تسلیم و اتباع ہوتے ہیں جو یقیناً معاشرے میں صحت مند حیثیت کے رویوں کو جنم دیتے ہیں۔ جن کی آخری منزل حصول قربِ خداوندی ہے یہ اللہ کو پا لینا ہے نہ کہ اتصالِ خداوندی۔ (یعنی خدا سے مل جانا نہیں) سالک کی زندگی کا یہ رویہ اور پہلو حسین بھی ہے جس میں شہود کے احتجاجی نظارے بھی ہیں اور دینی پہلو بھی عیاں ہیں۔ یعنی اسے لذت دنیا کی کشش باوجود حسین اور راحت افزاء ہونے کے کسی طرح بھی اپنی طرف راغب نہیں کر پاتی اور سالک ذکر اللہ کے سرُور میں ہی مدہوش رہتا ہے۔

ابن عربی نے اپنے نظریہ وحدت الوجود میں اس پہلو کا جائزہ لینا غالباً مناسب نہیں جانا کہ اگر کائنات کا ذرہ ذرہ عین باری تعالیٰ ہے تو پھر خالق و مخلوق اور عبد و معبود کا رشتہ کا فرق تو مٹ جائے گا۔ لہٰذا خیر و شر میں بھی کوئی فرق نہیں رہے گا جو کہ دینِ اسلام کا ایک اساسی پہلو ہے اور ایک مومن کو بتایا گیا ہے کہ دینِ اسلام ہی تمہارے لئے حقیقی دین ہے۔ اس پر ہی چل کر تم دوسری امتوں پر گواہی دینے والے ہو۔ اب اگر وہ انسان فرسودہ رسوم کو اپناتا ہے تو اس کی بنا پر انسانی علم میں آنے والے ہر پہلو کے لئے علیحدہ علیحدہ خدا تسلیم کرنا ہوگا۔ کیونکہ زمانہ حال کے نظریہ وحدت الوجود کا یقیناً نتیجہ پھر سے اسی بے دین زندگی پر ہی لوٹ جانے کے مترادف ہوگا جس کا خاتمہ کرنے کے لئے خاتم المرسلین کو مبعوث

کیا گیا تھا۔

نظریہء وحدت الوجود گفتگو میں استعمال کرنے کی حد تک صحیح ہے کہ ایک ہی وجود تھا، ہے اور رہے گا۔ باقی سب کچھ فنا پذیر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نہ ختم ہونے والا وجود رکھتا ہے۔ مگر یہ سمجھ لینا کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اندر چھپ کر روح کی شکل میں بیٹھا ہوا ہے قطعاً غلط اور اللہ تعالیٰ کی قدرت وشان کو محدود کرنے کے برابر ہے۔ سورہ نحل (آیت نمبر ۷۴) کے مفہوم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ پر مثالیں گھڑنا کہ وہ ایسا ہے اور ایسا کیوں نہیں ہے یہ طرز عمل انسان کے لئے درست نہیں ہے

آج کے نظریہ وحدت الوجود کو تسلیم کرنے والے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ باری تعالیٰ جو خود کو لامکاں کہہ رہا ہے اسے انسانی قلب تک محدود کر کے ایک مخصوص مقام پر بٹھا دیا جائے تو وہ کیونکر کائنات کا نظام چلائے گا جس کا وہ واحد لاشریک ہو کر خالق اور مالک اور ناظم ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اللہ کو ہر شے میں بتانا تو کیا یہ تضاد بیانی اور بے یقینی کا عالم نہیں ہے۔ نظریہ وحدت الوجود کے حامل سالکین اکثر سنی سنائی تشبیہات سناتے رہتے ہیں وہ اس تفکر سے خود بے نیاز و بے خبر ہیں جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے مقربین قیام میں ہوں، چلتے پھرتے ہوں، رکوع وسجود میں ہوں یا آرام کی خاطر لیٹے ہوئے ہوں وہ ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں اور پھر تفکر میں رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو نے اس زمین وآسمان میں اور ان کے اوپر یا نیچے پیدا کی جانے والی چیزوں کو بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے۔

نظریہ وحدت الوجود کے حامل اور اکثر سالکین سمندر کے پانی میں اٹھنے والی لہروں اور موجوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگرچہ موجیں اپنی الگ شناخت وحوالہ رکھتی ہیں مگر ہیں تو وہ سمندر کا ہی حصہ۔ اسی طرح سمندر سے کچھ پانی اگر کسی علیحدہ برتن میں ڈال لیا جائے تو اصل میں تو سمندر ہی کا حصہ ہے بے شک جب تک وہ پانی اس برتن میں موجود ہے اس کی علیحدہ پہچان ہے۔ لیکن جونہی اسکو سمندر میں انڈیل دیا جائے تو پھر سے وہ سمندر کا حصہ بن جائے گا اور اسے الگ سے تلاش کرنے کے باوجود نہیں پایا جا سکے گا۔ اسی طرح انسان کو علیحدہ پہچان وتعین دے کر پیدا کیا ہے مگر یہ سارا سفر عارضی ہے جونہی یہ طبعی

موت مرے گا پھر سے اسی ذات میں شامل ہو جائے گا۔ اس کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے نظریے کی نفی خود کرتے ہیں کہ انسان مرنے کے بعد پھر اسی ذات میں شامل ہو جائے گا حالانکہ وہی تو ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہو گی۔ نظریہ وحدت الوجود کی نفی کرنے کیلئے صرف سورۃ المجادلہ کی آیت نمبر ۷ ہی کافی ہے۔ لیکن اگر حقیقت کی تلاش وضرورت ہو تب ورنہ بات در بات کرنے سے تو کوئی سرا ہاتھ نہیں لگتا۔ کہ سورۃ المجادلہ آیت نمبر ۷ نظریہ وحدت الوجود کی مکمل نفی کرنے میں بہت بڑی دلیل ہے۔

قارئین! اس سارے نظریے کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریے کے خالقین وحاملین نے اس پہلو پر یا دینِ اسلام کی تعلیمات پر مکمل غور نہیں کیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ نظریہ نہ تو فروغ پاتا اور نہ ہی اسے تسلیم کر کے لوگ غلط فہمی کا شکار ہو کر زندگیٔ جہل گذارتے۔ نظریہ وحدت الوجود کے حاملین ایک اور پہلو سے بھی اپنے نظریہ راہ سلوک کی تشریح کرتے ہیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہے کوئی جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا سمیع وبصیر ہے اور پھر اللہ کے ہاتھ جن سے اس نے آدم کی تخلیق فرمائی۔ کیونکہ ان سارے دعووں سے اللہ تعالیٰ کی آنکھ، کان اور ہاتھ ثابت ہیں اور اس لئے وہ اعضائے جسمانی بھی رکھتا ہے۔ اس نظریہ کے حاملین مذکورہ الفاظ تو قرآن سے اخذ کر کے اپنی گفتگو کو سہارا دیتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ ایسا کر کے اپنے اللہ کے اس فرمان کی نفی کر رہے ہیں کہ "اس جیسی کوئی شے نہیں نہ وہ کسی شے جیسا ہے اور یہ کہ تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کا انسان کی آنکھوں سے دیکھا جانا ایک ناممکن دعویٰ ہے۔ لہٰذا جس چیز کو آپ اپنے تصور میں لا ہی نہیں سکتے تو پھر یہ کہنا کہ وہ ایسا ہے ویسا ہے، مکمل جہالت نہیں ہے کیا؟ کیا اسے انسانی جسم میں قید کر کے رکھ دینا طرزِ جاہلانہ نہیں کہلائے گا۔؟ کوئی چیز مثلاً ایجاد وغیرہ ایسی صحیح یا اصلی تسلیم نہیں کی جا سکتی جس کا ایک حصہ اصلی ہو اور دوسرا پُرزہ کسی اور مشین سے نکال کر اس میں استعمال کیا گیا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ جو نہ سوتا ہے نہ اونگھتا ہے نہ کھاتا ہے نہ بیوی بچے، نہ والدین رکھتا ہے اس کو ایسے پنجرے (انسان) میں بند کر دینا جو مذکورہ سارے اوصاف رکھتا ہو اور بھرپور نیند سوتا ہو کسی بے عقل کی ضد ہی ہو سکتی ہے ان ساری الجھنوں کا سادہ سا حل وہ ہے جس کی نشاندہی حضور اکرمؐ

نے اپنے عمل سے کی اور ہمارے لئے یہ حکم فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک قرآن اور دوسری شریعت اور یہ بات ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ صادقین وصالحین یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ طریقت اور شریعت میں کچھ فرق نہیں ہے۔

ابنِ عربی ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ ایک سالک اپنے مشاہدے کی بنا پر، علم الیقین کی بنا پر کہہ دے کہ دنیا حق ہے یا پھر یہ عالم خلق ہے یا اگر کہہ دے کہ ایک وجہ سے حق ہے یا دونوں کے درمیان تمیز نہ ہونے کے باعث حیرت کہہ دے تو بجا ہے۔ مذکورہ عبارت کو سوائے ایک بے یقینی اور شکوک وشبہات کو جنم دینے والی تحریر کے اور کیا کہا جاوے؟ جنہوں نے نظریہ وحدت الوجود کی بنیاد رکھی وہ سب کچھ سالک پر چھوڑ رہے ہیں اور سالک ہے کہ تفکر سے عاری، تو پھر تفکر کا سفر کیسے طے ہوگا سوائے ایک زنگ آلود مقام کے حصول کے جسکا ذکر پہلے ہو چکا کہ اللہ کے ولی یہ سن کر کہتے ہیں کہ اے اللہ تو نے یہ زمین اور آسمان بے وجہ پیدا نہیں کئے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے موجود اور موہوم دونوں کا فرق واضح کر کے بتا دیا ہوا ہے۔

نظریہ وحدت الوجود کے اوپر مکمل اور بہترین تبصرہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ہے۔ جو ابتدائی عمر اور سفرِ طریقت میں نظریہ وحدت الوجود سے متاثر اور اس کے قائل تھے مگر جب راہِ سلوک میں مشاہدات سے نوازے گئے حق الیقین میسر آیا تو تائب ہوتے ہوئے اقرار کیا کہ وہ راہِ سلوک کی غلط پگڈنڈی پر چلتے رہے جبکہ حصولِ منزل کے لئے شاہراہ شریعت رسول موجود تھی۔ حضرت باقی باللہ نے اپنی مرض الموت سے قبل فرمایا کہ مجھے عین الیقین سے معلوم ہوگیا ہے کہ توحیدِ وجودی یعنی نظریہ وحدت الوجود ایک تنگ کوچہ ہے اصل شاہراہ دوسری ہے۔ میں اس سے پہلے بھی جانتا تھا مگر اب یقینِ کامل ہوگیا ہے۔ جبکہ امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی اپنی روحانی واردات کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ کم عمری کے زمانے میں فقیر کا اعتقاد بھی توحیدِ وجودی جیسا تھا۔ طریقہ عالیہ نقشبندیہ پر عمل پیرا ہوکر توحیدِ وجودی منکشف ہوگئی۔ شیخ اکبر ابنِ عربی کے معارف کے حقائق پورے طور پر واضح ہوگئے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی طرف مخلوق کے لئے کوئی راستہ نہیں رکھا ماسوائے اس کی معرفت سے عاجز ہونے کے راستہ کے۔

نظریہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر حضرت شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ
''وحدت الوجود اور وحدت الشہود دو اصطلاحیں ہیں جن کا اصل میں اطلاق دو مختلف معنوں پر ہوتا ہے۔ کبھی ان کا استعمال سیر الی اللہ کے مباحث میں ہوتا ہے چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں سالک وحدت الوجود کے مقام پر فائز ہے اور فلاں سالک مقام شہود پر۔ لہٰذا اس سیاق میں وحدت الوجود کے معنی ایسے سالک کے ہوں گے جو حق کی تلاش میں عرفان میں گم اور مستغرق ہے اور وحدت الشہود کے معنی یہ ہونگے کہ سالک ایسے مقام پر فائز ہے اور حقیقت کو پانے میں کامیاب ہوگیا ہے کہ اشیاء میں جو وحدت نظر آتی ہے من وجہٗ اللہ ہے اور جو کثرت نظر آتی ہے وہ بھی من وجہ اللہ ہی ہے۔ معرفت وسلوک کا یہ مقام پہلے مقام سے زیادہ ارفع ہے۔''

نظریہ وحدت الوجود پر علامہ اقبال نے بھی بڑے افسردہ لہجے میں شہرہ فرمایا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ نظریہ عجمی تصوف کی پیدوار ہے ہمارا تصوف کب سے نظریہ وحدۃ الوجود پر مرتکز ہے اور اگر اس سے ہم نے کوئی سبق سیکھا ہے تو فرار اور تعطل اور نفی ذات کا۔ اس کے زیر اثر وحدۃ الوجود کی وہ غلط تعبیر جس سے ایک بے روک آزادروی اور وسیع المشربی کو تحریک ہوتی ہے۔ اور جس سے احکام شریعت کی حیثیت محض ظواہر کی رہ جاتی ہے لہذا افرد ان سے بے اعتنائی برتنا اور جماعت وحدت ادیان کے چکر میں اپنا تشخص کھو بیٹھی ہے۔ اسلام ہی میں کوئی بات رہ جاتی ہے نہ امت اسلامیہ کے جداگانہ وجود میں۔ سید نذیر نیازی (اقبال کے حضور) میں مزید لکھتے ہیں کہ علامہ نے فرمایا" اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ ضرور لکھوں گا اگر توفیق نصیب ہوئی تو۔ کیونکہ یہ ایک فتنہ عظیم ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ "ہمارے علماء اور صوفیہ کو کیا ہوگیا ہے۔"

# نظریہ توحید اور انسان

اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہستی ہے (ہستی کے معنی ہیں جو موجود ہو) جو اپنی کسی بھی حیثیت میں کسی بھی زمانے میں کسی اور کی محتاج نہیں رہتی اور نہ اس کے محتاج ہونے کے کوئی امکانات ہو سکتے ہیں۔ جب کچھ نہ تھا تو اللہ تعالیٰ کی ہستی تھی اور عالمِ موجودات کے ختم ہونے پر جب کچھ نہ ہوگا تو اللہ کی ہستی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تعریف کی حد تک ہی ہستی نہیں بلکہ وہ ہر چیز کا خود خالق اور مالک بھی ہے۔ کائنات تخلیق کرنے کے بعد اسے کسی اور کی ملکیت میں نہیں دے دیا گیا بلکہ اسے اپنی ہستی ہی کی تسبیح کا حکم دے کر آزاد کر رکھا ہے۔

عالمِ موجودات میں حضرتِ انسان کو اللہ نے بڑی ہی احسن حیثیت میں پیدا کیا اور اُسے اپنے معبود ہونے کا شعور بھی دیا۔ عالمِ موجودات کا دلنشین حسن دیکھ کر انسان نے اپنی اصل سمت اگر کھوئی نہیں تو وہ بھول ضرور گیا ہوا ہے اور پھر یہ بھول کی گرد اس کے دل پر تہہ در تہہ جم کر مٹی کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ جس نے اس کے اندر قلب کو اگر یکسر ختم نہیں کیا تو اُس کی اصلی شکل کو بدل کر ضرور رکھ دیا ہے۔ ایسے حالات میں ہر انسان اللہ تعالیٰ کا تصور اپنے اپنے زاویہءِ نگاہ سے رکھتا ہے اسے مانتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اس کا ذکر بھی کرتا ہے۔ ایسے تصورات و عقائد کو اسلامی انداز میں نظریہ توحید لکھا، پڑھا اور مانا جاتا ہے۔ انسانی رویوں کو پرکھتے ہوئے راہ سلوک پر چلنے والے لوگ اس نظریہ توحید کو مندرجہ ذیل اقسام کا نام و مقام دیتے ہیں۔

ا) عام لوگ توحید کا نظریہ اس طرح رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو مانتے ہیں، جانتے ہیں۔ اس کے سوا کسی خدا کو نہ مانتے ہیں نہ جانتے ہیں۔ کسی کو اس خدا کا شریک نہیں مانتے مگر اس خدا کو کلی اختیارات کا حامل سمجھتے ہوئے بھی دوسرے لوگوں سے طرح طرح کی امیدیں لگا کر رکھتے ہیں اور ان سے ڈرتے بھی ہیں کہ کہیں وہ ان کا کوئی نقصان نہ کر دیں اسے عرفِ عام میں ہم کہیں گے کہ وہ اپنی زندگی میں عالمِ موجودات میں اس واحد کے علاوہ بھی چھوٹے چھوٹے خدا بنا کر رکھتے ہیں اس لئے یہ عقیدہ یا نظریہ توحید نہ

صرف ناقص اور ضعیف ہے بلکہ باطل بھی ہے کیونکہ ردِ شرک کے اقرار یعنی (وخیرہٖ وشرہٖ من اللہ تعالیٰ) کے خلاف ہے۔

۲) دوسرا نظریہ توحید ایک مسلمان کا نظریہ توحید کہلاتا ہے وہ انسان کے عقیدہ سے اور نظریہ رکھنے کے ساتھ اپنے واحد رب کی عبادت بھی کرتا ہے اور اپنی حاجات کی تکمیل بھی اسی سے چاہتا ہے۔ مگر انسان ہونے کے ناطے کبھی کبھی شیطانی وسوسوں کا بھی شکار ہوتا ہے پھر تقویٰ اختیار کرتا ہے اور معبود کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسے نظریہ توحیدِ عالمِ اسلام کہا جاتا ہے۔

۳) ایک مسلم عالم کا نظریہ توحید یا عقیدہ علماء اسلام یہ ہے کہ اوپر بیان کیے ہوئے مرحلوں اور عقائد پر قائم ہونے کے ساتھ ساتھ احکام شریعت بجالاتے ہوئے اس یقین میں ہوتے ہیں کہ ان کا اللہ انہیں دیکھ رہا ہے ایسے عقیدہ کو عقیدہءِ مطلوبِ اللہ کہا جاتا ہے۔ اس مرحلے پر سالک یا عابد اپنی ذات کی انفرادیت کو بھی یاد رکھتا ہے یعنی اسے غیر اللہ کا احساس وشعور باقی رہتا ہے اور یہ غیر اللہ اس کی اپنی ذات ہوتی ہے اس غیر اللہ کے احساس سے چھٹکارا ہی عارف العارفین کا مقصود ومطلوب ہوتا ہے۔

۴) توحید کا چوتھا نظریہ طبقہ الخواص یا عارف العارفین کا نظریہ ہے جس میں سالک اپنی شخصیت کو اللہ کی رضا کے ماتحت کر دیتا ہے اس کی ذاتی مرضی یا خواہش یا اس کا ارادہ بالکل نہیں رہتا اس کی ذات میں صرف اللہ کی رضا ہی باقی رہ جاتی ہے۔ تصوّف کی تحقیق اور عارفوں کی تشریح کے مطابق اس مرحلے پر عارف العارفین اس مقام کو پالیتا ہے جس پر وہ تب تھا جب اس نے خدا کے سامنے یہ عہد کیا تھا کہ ہاں تو میرا رب ہے اور میں گواہ ہوں (سورۃ اعراف ۱۷۲) کیونکہ اگر سالک محو ہوگیا ہے تو سوال یہ ہے کہ وہ کہاں گم ہوا ہے اور صوفی کی ابتدا بھی اور انتہا بھی دعا سے شروع ہو کر دعا پر ہی ختم ہوتی ہے۔ وہ آتے ہوئے سلام کہتا ہے اور جاتے ہوئے اللہ حافظ کہتا ہے۔ قیام کے دوران ذکرِ اللہ میں مشغول رہتا ہے اور اجتماعی طور (کسی محفل یا عرس) پر اختتامِ بھی دعا پر ہی کرتا ہے۔ سوائے اپنے رب کے کسی اور سے امید رکھنا یا غیر اللہ کا سوچنا یا غیر اللہ سے امید رکھنا یا غیر اللہ کے ساتھ رہنا سالک کو اس کی روحانی موت کے قریب کر دیتا ہے۔ اس لئے صوفی ہر وقت خود کو یاد دلاتا

رہتا ہے کہ اس کو اپنی اصل کی حفاظت کرنے ہی میں گم رہنا ہے۔ اسی میں اس کی بقا ہے اور فلاح بھی۔

سوال یہ ہے کہ غیر اللہ کیا ہے؟ یہ ایک بھید ہے، ایک راز، ایک پوشیدہ احساس ہے۔ انسان دوروںزدیک کی اشیاء کو دیکھ کر اپنے آپ کو ان سے محظوظ کرنے اور عبادت اللہ میں لگا رہتا ہے اور حقیقی غیر اللہ کو نظر انداز کیے رکھتا ہے مگر صوفی کو ان اشیاء میں وہ ساری صفات نظر آتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کے اظہار کے لئے ان اشیاء میں پیدا کر رکھی ہیں اور بحیثیتِ ذات اللہ تعالیٰ نظر نہیں آتا اور اس مادی اور صفات کی دنیا میں کبھی نظر آئے گا بھی نہیں۔ چونکہ یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے کہ وہ اس عالم موجودات میں کسی کو نظر نہیں آئے گا۔ اس فیصلے میں کیوں کا سوال نہیں ہے۔ صوفی ان مذکورہ صفات کے حسن سے بنائی ہوئی نظر جب خود اپنی طرف پھیرتا ہے تو اسے اپنی ذات نظر آتی ہے اور یہ صفات میں گم ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسے غیر اللہ کا سامنا اور غیر اللہ کی پہچان سے آگہی میسر آتی ہے۔ کہ غیر اللہ تو وہ خود ہے۔ اس احساس کو ایک نظریئے کی رو سے نروان حاصل کر لینا کہتے ہیں اور دوسرے نظریے سے خدا اس میں تحلیل کر گیا۔ تو یہ دونوں نظریے نظریہءِ محمدی سے متصادم ہیں جو تصوّف کی دنیا میں کہیں دور دور بھی قابلِ قبول نہیں ہیں۔ تصوّف کا خمیر ہی قرآن اور شریعتِ محمدی سے اٹھایا جاتا ہے اس کے بغیر وہ بے پر پرندے کی حیثیت رکھتا ہے۔ صوفی صرف خدا کی صفات کو دیکھتا ہے۔ اور پکارتا ہے جدھر دیکھتا ہوں تو ہی تو ہے کیونکہ اس طرح غیر اللہ کو دیکھنے والی بصارت ختم ہو کر اللہ کو دیکھنے والی بصیرت اسے حاصل ہو جاتی ہے۔

# کثرتِ صوم!

چونکہ عام انسان زندگی کی ساری تگ و دو صرف اور صرف اس لئے کرتا ہے کہ وہ آرام کی زندگی گزارے۔ مثلاً وہ اچھا لباس پہنے، اچھا کھانا کھائے، اچھا گھر بنائے اور یہ کہ گھومنے پھرنے کے لئے اس کی اپنی بہترین سواری ہو۔ اور زندگی گزارنے کے دیگر لوازمات بھی دستیاب ہوں انسان جب ان لوازمات میں گِھرا ہوتا ہے تو وہ اس آسودہ حالی میں اپنی ضرورتوں کو محدود کرنے کی بجائے پھیلاتا چلا جاتا ہے کیونکہ اس کی سوچیں مختلف ہوتی ہیں۔ جب کہ بھوکے پیٹوں اس کی سوچوں کا دھارا کسی اور جانب ہوتا ہے جیسے ماہرینِ نفسیات کہتے ہیں کہ محلوں میں رہنے والوں اور جھونپڑوں میں رہنے والوں کی سوچیں مختلف ہوتی ہیں۔ لہٰذا حالتِ روزہ میں چونکہ مومن نے سب کچھ موجود و میسر ہونے کے باوجود اپنے اوپر ایک پابندی عائد کر رکھی ہوتی ہے اور وہ کسی بھی چیز کا استعمال کرنے سے پہلے خود سے سوال کرتا ہے کہ کیا یہ کام کرنا، کھانا پینا، گفتگو کرنا یا کسی اور حرکت کا مرتکب ہونا خلافِ حکم اللہ تو نہیں۔ یہ سوچ اس کو اپنی اصلیت اور حیثیت کے قریب کیئے رکھتی ہے اور یہی ایک صوفی کی تمنائے اول اور منزل آخر ہوتی ہے کہ وہ کائینات میں اپنی حیثیت کو پہچان لے۔ لہٰذا کثرتِ صوم اسے خود آگہی بخشتی ہے اور وہ اپنی منزلوں کا تعین کرتا چلا جاتا ہے اور ان کے حصول کی کوشش میں مشغول رہتا ہے۔ یوں طالب تصوّف خود کو زندگی کی گندی آلائشوں سے پاک کر کے اپنے قلب و نگاہ کو اسم اللہ اور عشقِ رسول کی روشنی سے منور کرتا ہے۔ حالتِ روزہ میں جتنی مشقت زیادہ برداشت کی جائے گی اتنی ہی زیادہ خود شناسی اور خود آگہی نصیب ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اصفیاء کرام مہینوں مہینوں روزے رکھتے ہوئے زندگی گزار دیتے تھے۔ روزے کے احساس سے روحانی طاقت نصیب ہوتی ہے جو روزہ دار کی نہ صرف صحیح سمت راہنمائی کرتی ہے بلکہ صراطِ مستقیم سے بھٹکنے سے بھی بچاتی ہے۔ لہٰذا جس قدر ممکن ہو کوشش کرو کہ روزہ رکھو اور پھر روزہ کی برکتوں سے اپنی ذات کو سنوارو۔ روزے کا صلہ تو وہ خدا ہی دیتا ہے۔ روزہ کے حوالے سے از راہِ تذکرہ تحریر کرتا ہوں کہ ابو سعید فضل اللہ خراسان کے رہنے والے تھے۔ 83 سال کی عمر پائی اور 1045ھ

میں وصال ہوا۔ اپنے شیخ ابوالفضل سے بیعت کے بعد راہِ سلوک میں ہدایت مانگی۔ انہوں نے کہا حجرے میں بیٹھ کر پوری توجہ سے اللہ کا ذکر کیا کرو۔ ابوسعید فرماتے ہیں سات سال تک ایسے ہی کرتا رہا یہاں تک کہ میرے انگ انگ سے اللہ ہی اللہ کی صدا آنے لگی مگر روحانی تشنگی کبھی ختم نہ ہوئی۔ میں ذہنی کشمکش کا شکار ہوا مجبوراً اللہ سے دعا کی، اے اللہ تو میرے دل کی بات کو جانتا ہے کہ میرا کتابی علم مجھے تجھ سے برگشتہ کررہا ہے اے میرے اللہ میں تجھے پانا چاہتا ہوں تو میری دستگیری فرما۔ ابوسعید لکھتے ہیں کہ جب سلوک میں قدم رکھا تو میں نے اپنے نفس پر جواذکار، اوراد یا معمولات لازم کیئے ان میں کثرتِ صوم اوّل نمبر پر تھا۔ اگر مجھے لوگ کامیاب جانتے ہیں تو اس کی وجہ یہی کثرت صوم ہوسکتی ہے۔ میرے دوسرے معاملات خودبخود حل ہوتے چلے گئے۔

روزہ ایک Comprehensive عبادت گنی گئی ہے۔ روزہ کی اچھی تعریف اور صلۂ صوم کا صرف پڑھ کر ہم ایک لذت محسوس کرتے ہیں تو کیا اچھا ہو کہ روزہ رکھ کر اس لذت کی حقیقت سے بھی آشنا ہوجائیں۔ یاد رہے کسی عمل سے گذرنے کو مشاہدہ کہا جاتا ہے۔ جسے عام زندگی میں تجربہ کہتے ہیں۔ لہٰذا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ روزہ انسانی جسم سے فاسد مادوں کو ضائع کرتا ہے اور صرف وہ انہی امیدوں کو زندہ رکھتا ہے جو روزہ داروں کی روحانی ضرورتوں کے لئے بہت ہی ضروری ہوتی ہیں۔ میں یہ کہوں گا کہ روزہ ایسے ہے جیسے ایک سیاہی چوس کہ یہ روزہ دار کے جسم سے شیطانی ترجیحات، مکروہات وشہوات اور گندی آلائشوں کو چوس چوس کر ختم کردیتا ہے۔

روزہ کیا ہے اور کیوں رکھا جاتا ہے؟ اس کے فوائد وثواب جاننے کے لئے نصابی کتابوں کو دیکھ لیں میں تو اپنے مشاہدے کو رقم کررہا ہوں۔ عام عالمِ دین یا کوئی ایسا شخص جو راہِ سلوک کا نہ تو خود مسافر ہے اور نہ کسی ایسے مسافر سے نسبت رکھتا ہے وہ اگر کہے کہ ماہِ رمضان کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیئے ہیں بس وہ رکھیں تو اللہ خوش ہی خوش ہے۔ صوفی اس کا جواب یہ دے گا کہ اللہ فرماتے ہیں (سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۵۷) کہ جو شخص خوشی سے کوئی امرِ خیر کرے حق تعالیٰ اس کی قدر دانی کرتے ہیں اور اس شخص کی نیت اور خلوص کو خوب جانتے ہیں۔

حضورِ اکرمؐ کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضورِ اکرمؐ ہر ماہ کم از کم تین روزے ضرور رکھتے تھے ایک اور حدیثِ نبوی کے حوالے سے ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرمؐ ایامِ بیض کے روزے نہ سفر میں چھوڑتے تھے نہ حضر میں (یاد رہے کہ ہر اسلامی مہینے کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ ایامِ بیض کہلاتے ہیں) صوفی چونکہ رحمت العالمین کے پیغام اور اسی کی سنت کو اپنانے اور آگے بڑھانے والا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ کثرتِ صوم والی سنت کی اتباع کرتا ہے۔ ارادۃً بھوکا رہنا اس کے ذہنی اور قلبی راستوں کو کھول کر ایک روحانی قوت اور اطمینان بخشتا ہے۔ اور اس کا امتحان لیتا ہے کہ اپنے عہد پر یہ شخص کس قدر پختگی سے قائم ہے جس کا وعدہ یہ اپنی پیدائش سے بھی پہلے کر چکا ہے۔

## دنیا اور صوفی

عالمِ موجودات تو محض ایک دھوکہ ہے کیونکہ یہ عارضی ہے تھوڑے عرصے کے لئے ہے پھر اسے تو ختم ہو جانا ہے۔ محض لہو ولعب اور ظاہری زینت اور ایک دوسرے پر فخر کرنا کہ میرے پاس مال و دولت یا میری اولاد تعداد میں زیادہ اور قبیلہ معزز ہے پر فخر تو خود کو دھوکہ دینے کے برابر ہے (سورۃ الحدید آیت نمبر ۲۰)۔ ایک صوفی موجودہ زندگی کو صرف اسی حد تک اپناتا ہے۔ جو اس کے جسم و جان کے رشتہ کو برقرار رکھے۔ زائد اسباب سے صرف نظر رکھتا ہے۔ یہ رویہ ہی حقیقت ہے اور حق کے قریب بھی اور صوفی کو حقیقت ہی کی تلاش و ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی پریشانی اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی اور لطف یہ ہے کہ جو کچھ انسانی زندگی میں ہونے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور یہ پہلے سے لکھا جا چکا ہے۔ اس لئے اگر صوفی کو کچھ نہ ملے تو غم نہیں کرتا مل جائے تو شیخی نہیں بھگارتا راضی رہتا ہے اور رضا اللہ کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ کیوں کہ جب وہ آنے والی مصیبت کو ٹال ہی نہیں سکتا تو پریشان کیوں ہو یہی وجہ ہے کہ صوفی کو نہ فشارِ خون کا عارضہ ہوتا ہے نہ اعصابی تناؤ۔ بڑے سکون سے اللہ اللہ کرتا ہے اور مطمئن رہتا ہے اور دوسروں کو خوش رکھتا ہے۔ امن کی نیند سوتا ہے اور امن ہی کا جاگنا جاگتا ہے۔ ایسے

طرزِ عمل ہی کو ذکر و فکر کا نام دیا گیا ہے۔ کیونکہ روحانی معراج کے حصول کیلئے یہ دونوں عمل لازم و ملزوم ہیں۔ بغیر فکر کے ذکر بے معنی و بے ثمر ثابت ہوگا اور بغیر ذکر کے فکر سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اسلئے فکر ارادہ ہے اور ذکر عمل۔

# اپنی پہچان

زمانے میں علم کو ادب و خدمت کے لئے طلب کیا جاتا ہے فقیر یہ کہہ کر کہ میں نے دنیا کو پہچان لیا ہے۔ وہ اس سے بے رغبت ہو گیا۔ ظاہر ہے یہ رغبت دنیا کی نا قابلِ قبول اصلیّت اور کریہہ شکل کی وجہ سے ہو گی اور پھر جس نے آخرت کو پہچان لیا اس نے آخرت کی رغبت کی جو یقیناً اس کی اطمینان بخش صورت کی وجہ سے ہے۔ جس نے اللہ کو پہچانا اس نے اس کی رضا کو ترجیح دی۔ جس نے دنیا کو نظرِ ارادت وحقارت سے دیکھا اللہ تعالیٰ اس کے دل میں نور، یقین اور زہد پیدا کر دے گا۔ تو اے طالبِ حقیقت اپنے نفس کی ہر مراد میں اس کی مخالفت کر کیونکہ بلا شبہ وہ ہر برائی کا حکم دیتا ہے اور اپنے مسلمان بھائیوں کی حقارت سے بچ۔ اطاعتِ الٰہی کو اوپر کا کپڑا اور خوفِ الٰہی کو نیچے کا کپڑا بنا کر اپنے تحفظ کا لباس بنا لے۔ اخلاص کو اپنی متاعِ جان اور صدق سے غافل نہ ہو کیونکہ جو شخص اپنے تمام اوقاتِ احوال و افعال میں اللہ تعالیٰ سے شرم محسوس کرتا ہے اللہ اسی کو اپنے اولیاء میں شامل کر لیتا ہے۔

# توکل

حلقہء تصوّف میں بیٹھے ہوئے بہت سارے فقراء وصوفیا ایسے ملتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کو بے وسائل ہو کر گزارا تو ضرور مگر اس کا مفہوم صحیح طرح سے نہ خود سمجھ سکے اور نہ دوسروں کو سمجھا سکے بلکہ سہل پسندی کی روش کو عام کرنے میں معاون ثابت ہوئے جو یقیناً غلط ہے۔ اگر معاشرتی زندگی میں وسائل کی دستیابی اور ان کا استعمال کچھ معنی نہ رکھتے تو اللہ تعالیٰ کبھی یہ نہ کہتے کہ کفر کے مقابلے کے لئے خوب خوب تیاری کر کے رکھو اور یہ حکم نہ ملتا کہ ہم نے زمین و آسمان کو انسان کے لئے مسخر کر دیا۔ بعض صوفی مشقت ترک کر کے راحت و آرام ہی کو دنیائے فقر میں اپنی کامیابی سمجھ بیٹھے ہیں یا پھر انہوں نے مختلف آستانوں پر رہ کر اصفیاء کی صحبتوں کو ہی مقاماتِ فقر طے کرنے کیلئے کافی جان رکھا ہے۔

طالب تصوّف کومختلف اصفیاء وفقراء سے مل کر اپنی روشِ حیات کی اصلاح کرنے کا موقع ضرور ملتا ہے مگر ضروری نہیں اچھی صحبتوں میں ہر بیٹھنے والا صوفی بھی بن جائے۔ صوفی تو صرف وہ بنے گا جو تصوّف اپنائے گا اور اگر اس نے صحیح طرزِ عمل بھی اپنا رکھا ہے تو اس میں استقامت بھی ضرور آئے گی۔

''رسالہ قشیری'' میں ہے کہ کچھ صوفی عوام کی دعوتیں کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم سخاوت کا اظہار کر رہے ہیں۔ حالانکہ تصوّف یہ نہیں ہے۔ تصوّف کا مقصد یہ ہے کہ صوفی آرائشِ دنیوی سے آزاد ہو جائے نہ یہ کہ سخاوت و ماہانہ محفلوں کی وجہ سے شہرت مل جائے۔ لہٰذا توکل کے لئے تزکیۂ نفس لازمی ہے کیونکہ تصوّف تو اصلاحِ باطن کا نام ہے نہ کہ پھٹی اور پرانی گدڑی میں ملبوس ہو کر رہنے کا۔

کیا یہ سچ نہیں کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا (سورۃ محمدؐ) ایمان والوں کی مدد و نصرت ہمیشہ ہم پر ان کا حق ہے۔ (سورۃ روم ۴۷) اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہے (سورۃ طلاق ۳)۔ اب سمجھنا چاہیے کہ اللہ کی مدد کرنے کا کیا مطلب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کا محتاج ہرگز ہرگز نہیں ہے وہ تو بے نیاز ہے ہر چیز سے۔ تو پھر اس مدد کا کیا مطلب ہے۔ میرے عزیز یہ اللہ کے بندوں کی ضرورتوں کے پورا کرنے کے جائز عمل میں معاونت ہے جو دین کی تعلیم سے لیکر معاشرے کے دوسرے شعبوں تک چلی جاتی ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ہماری نماز بھی اس وقت مکمل ہوتی ہے جب ہم دائیں طرف والوں کے لئے سلامتی چاہنے کے بعد بائیں طرف والوں کی سلامتی کی دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اسلامُ علیکم و رحمۃ اللہ آئیں اللہ کے بندوں کی مدد کریں معاشرے میں فساد سے دور رہتے ہوئے اور امن سے قریب تر ہو کر اپنے اللہ کی تسبیح میں رہیں۔ یہ تصوف ہے۔

# ولی

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن پاک میں کہیں بھی صوفی کا لفظ نہیں ملتا نہ حضور اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ اور نہ خلفاء راشدین کے دوَر میں کہیں لفظ صوفی ملتا ہے اگر چہ بعد کے مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ چونکہ صوفیائے کرام اس زندگی کے حامل ہوتے ہیں جو اصحاب صفہ نے اپنا رکھی تھی اس لئے لفظ صوفی ان اصحابِ صفہ سے ماخوذ ہے۔ اس طرزِ فکر یا نظریہ کو کلی طور پر شاید ہی قبول کیا جا سکتا ہے۔ ولی کا لفظ قرآن میں البتہ ان لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے جو صرف اللہ ہی کے لئے جیتے ہیں۔ اور اللہ کے لئے جینے کا مطلب اوپر بیان کیا گیا ہے کہ معاشرے میں ہر فرد کی جائز عمل میں معاونت کرنا اور شکر اللہ میں جینا ہی اللہ تعالیٰ کی راہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سارے لوگوں کو نبوت اور ولایت کی تعریف کرتے ہوئے اور دونوں مراتب میں فرق کرتے ہوئے غلطی لگی جس کے نتیجے میں انہیں اسلامی تصوّف پر گہرے منفی اثرات پڑنے کا صحیح طور پر ادراک نہ ہوسکا۔ کیونکہ وہ اصفیاء اس عقیدہ پر عمل پیرا رہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور اپنے اس فلسفہ ونظریہ کی بنیاد اس پر رکھتے رہے کہ حضرت موسیٰ کو حضرت خضر کے ساتھ سفر کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس لئے دیا تھا کہ وہ جان سکیں کہ ولی اللہ نبی سے (بقول ان کے) زیادہ قریب ہوتا ہے اور اپنے اللہ کے بارے میں ولی زیادہ علم رکھتا ہے ایک نبی سے (سورۃ کہف)۔ ایک نبی اپنے اللہ سے بذریعہ وحی رابطہ میں ہوتا ہے جبکہ ایک ولی کو الہام ہوسکتا ہے وحی نہیں اور پھر یہ کہ ایک ولی پیغمبر وقت کی شریعت کے اپنانے میں قُربِ الٰہی پاتا ہے نہ کہ نبی بذریعہ ولی کے اس طرح ایک ولی یقیناً نبی سے افضل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا مذکورہ نظریہ کہ ولایت نبوت سے بالاتر ہے غلط ثابت ہوتا ہے ہاں اللہ کا ولی ہونے کے لئے نبی ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ نبی اپنی امت میں اللہ کے ولی تیار کرنے کا درس لے کر دنیا میں مبعوث ہوتا ہے۔

## بیعت

حکم ہوا ایمان لاؤ (العمران ۱۹۳ اور النساء ۱۳۶) اور ایمان کیا ہے کہ جو کوئی ایمان نہ رکھے اللہ اس کے فرشتوں پر۔ کتابوں پر۔ رسولوں پر اور قیامت پر تو وہ بہک کر دور جا پڑا۔

آداب خانقاہی و رسم پیری میں بیعت کے الفاظ بھی یہی ہیں کہ ''میں ایمان لایا۔ فرشتوں پر اللہ تعالیٰ پر، کتابوں پر اور رسولوں پر قیامت کے دن پر قدر خیر و شر پر جو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور مر کر جی اٹھنے پر'' یعنی آخرت پر اور اس کے علاوہ کہ میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اسکے کل اسماء حسنہ کی حقیقتوں پر اور صفات پر اور تسلیم کرتا ہوں اس کے کل احکامات کو اور نہ صرف یہ کہ میں یہ عہد اپنے زبان سے کرتا ہوں بلکہ اپنے دل سے اس کی تصدیق بھی کرتا ہوں۔ صالحین اور صدیقین کا فرمان ہے کہ اگر عقیدت رکھ کر پیر خانہ جاؤ گے تو صرف رسم کی ادائیگی ہوگی اگر صحبت کے بعد عقیدت اپناؤ گے تو حقیقت ملے گی۔

لوگ یہ کہتے ہیں کہ زیادہ سیاحت یا صحرانوردی یا پھر ترکِ خاندان سے ہی توکل حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ تصور غلط ہے۔ توکل کے لئے علم اور تزکیہءِ نفس کی مشق لازمی ہے۔ محض بھوک پیاس کاٹنے یا گوشہ نشینی سے صوفی نہیں بن جاتا اس کے لئے کسی رہبر کی ضرورت ہوتی ہے جو خود شریعتِ رسولؐ کی اتباع میں فنا ہو چکا ہو کیونکہ اتباعِ رسولؐ ہی، اول و آخر ذریعہ ہے اللہ کی محبت کے حاصل کرنے کا اور پھر صلہ میں اُس کے قرب کا جس کو خود اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر فرمایا ہے کہ اگر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو پھر نبی اکرم رسولِ آخرؐ کی اتباع کرو تاکہ نتیجتاً اللہ تعالیٰ تم کو محبوب بنا لے اور ساتھ ساتھ تمھارے گناہوں کو بھی معاف کر دے اور تمھاری ذات کی دوسری سیاہیاں بھی دھوڈالے۔ اسی لیئے ابتدائی مراحل میں جبکہ راہِ سلوک اختیار کی جائے تو کسی مُرشد کی تلاش کرنے میں انتہائی احتیاط لازمی ہے۔ محض رسمی طور پر بیعت کر لینے سے مرید کی جہالت میں تو اضافہ ہو سکتا ہے عرفان نصیب نہیں ہوگا نہ اپنی ذات کی پہچان ممکن ہے۔ جب کوئی راہ سلوک کا مسافر بیعت کا ارادہ کرتا ہے تو اس پر مذکورہ بالا آیت لاگو ہو جاتی ہے۔ کہ ''اے اللہ تعالیٰ

مجھے اگر راہِ ہدایت دکھائی ہے تو پھر اب میرے دل میں کج روی پیدا نہ کرنا۔ کبھی گمراہ نہ کرنا ''۔ مگر صرف دعا و ارادہ سے ہی بات نہیں بنے گی بلکہ اسے مسلسل مرشد کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور عمل کرنا ہوگا اور ہر لمحہ خود کو اپنی روح کے سامنے کھڑا رکھنا اور ہر سانس کو اپنے اللہ کی یاد میں گزارنا ہوگا جیسے ایک عارف نے کہا ہے ''جو دم غافل سو دم کافر سانوں مرشد ایہ فرمایا ہُو'' آگے چل کر یہ فرمایا کہ مرعوب چیزیں مثلاً خوبصورت عورتیں، بیٹے، سونا چاندی، زمین، مال و متاع، صحت مند گھوڑے وغیرہ وغیرہ تو دنیا میں استعمال کی چیزیں ہیں یہ کوئی فخر کرنے والی چیزیں یا اللہ کے قرب کا ثبوت نہیں ہیں ہاں اگر ایسی چیزوں کا حصول اور استعمال اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی حدوں کے اندر اور اس کے مطابق ہے تو پھر اس کے انجام اور نتیجہ کا اچھا ہونا یا برا ہونا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لہٰذا ایک مرید ایسی دنیاوی شہرت اور خوشحالی کی نہ تو خود طلب کرتا ہے اور نہ کسی اور کے پاس دیکھ کر حسد کرتا ہے۔ بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے خود کو ملنے والی چیزوں کے حصول پر شکر ادا کرتا ہے اور اس سے اس کا فضل اور کرم طلب کرتے ہوئے زندگی گزارتا ہے اور اپنے گناہوں کی مغفرت اور حصول کی دعائیں ہی کرتا رہتا ہے۔ مرید کا دست بیعت ہونا لازمی نہیں ہے۔ اگر یہ لازم ہوتا تو حضرت اویس کرنیؒ کو رسولؐ کی اتنی شفقت اور توجہ نصیب نہ ہوتی کیونکہ یہ روحانی معاملہ ہے۔ یہ روحوں کے رشتے ہیں۔

## ذات پرستی

بعض مؤرخینؒ اور خصوصاً حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحقیق کے مطابق حضرت نوحؑ کی قوم میں پانچ بُت پوجے جاتے تھے علاوہ ان کے جو اس وقت کے لوگ دیگر رسوم ادا کرتے تھے۔ ان بتوں کے نام جیسا کہ قرآن پاک میں ذکر ہے، ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔

دیگر مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت ادریسؑ کے بیٹوں میں سے پانچ مذکورہ اسماء کے حامل تھے۔ جب یہ بیٹے انتقال کر گئے تو ان کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ان کے عقیدت مندوں نے ان میں سے ہر ایک کا بت ان کے ذاتی وصف کو سامنے رکھ کر بنوایا جس کے

سامنے وہ لوگ مختلف انداز سے اظہارِ عقیدت کرتے تھے۔ چونکہ ''یغوث'' میں بہادری کا وصف سب سے زیادہ تھا لہذا اس کا بت شیر کی شکل کا بنایا گیا تھا۔ جبکہ ''یعوق'' میں چستی پائی جاتی تھی تو اس کا بت گھوڑے کی شکل کا تیار کیا گیا تھا۔

حضرت علیؓ کا لقب اسداللہ ہے علی کو شیرِ خدا بھی کہا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی اس حقیقت کو سامنے رکھ کر شیر کی شکل بنا کر اس کو ''اللہ کا شیر'' کہہ کر پکارے اور حفاظت کر کے رکھے تو کیا ہم اس شخص کے اس فعل کو صحیح تسلیم کریں گے۔؟ ایسے ہی بظاہر بے ضرر عقیدت مندی کے رجحان سے ذات پرستی جنم لیتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ ایک پکی رسم بن جاتی ہے چند نسلوں کے بعد یہ رسم کسی عقیدہ کی شکل میں ہمارے سامنے آجاتی ہے جس سے چھٹکارا پانا ،ایک ناممکن نہیں تو مشکل امر ضرور بن جاتا ہے۔

## رزق حلال کا کمال

ابراہیم ادھمؒ کے بارے میں قشیری اور ابنِ عساکر نے کہا ہے کہ ابراہیم فرمایا کرتے تھے کہ اگر انسان صرف اپنا رزق حلال کر لے اور وہ رات کو قیام نہ کرے اور دن کا روزہ بھی نہ رکھے تو بھی اس پر گناہ نہ ہوگا۔ یعنی شب بیداری اور نفلی روزوں کی فضیلت اپنی جگہ، رزقِ حلال کا کمانا اُولیٰ ہے۔

اسی طرح عبداللہ بن مبارک نے بیان کیا ہے کہ ابراہیم ادھمؒ ایک فاضل شخص تھے ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کچھ راز ہیں اور میں نے ابراہیم کو ظاہراً تسبیح کرتے کبھی نہیں دیکھا۔

حضرت بشیر بن حارثؒ نے بیان کیا ہے کہ چار آدمیوں کو اللہ تعالیٰ ان کے رزق حلال کی وجہ سے بلند کرے گا۔ ابراہیم ادھمؒ، سلیمان بن الخوص، وہیب بن الورد اور یوسف بن اسباط کو۔ ابراہیم ادھمؒ خراسان کے ملک کے بادشاہ کے بیٹے تھے (تاریخ ابنِ کثیر ۵۸۹) آپ نے فرمایا کہ میں نے ۲۴ سال شام میں قیام کیا میری اقامت وہاں پر جہاد اور رباط کے لئے نہ تھی۔ میں وہاں اس لئے فرد کش ہوا تھا کہ حلال کی روٹی سے سیر ہو جاؤں۔

فرمان خداوندی ہے کہ خود کو مقدس نہ سمجھو سورۃ نجم ۳۲ لہٰذا کوئی چیز مقدس نہیں مقدس کا لفظ قدس سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے پاک اور پاک ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے یہ قدس فرشتوں کو بخشا ہے جبھی تو انہیں قدسی کہا جاتا ہے اور پھر یہ قدس نبیوں کو بخشا ہے۔ تو یہ ایک صفت ہے جو کائنات میں کچھ کو تو بخش دی گئی اور کچھ کو اسکے حصول کی ہدایت ہی نصیب ہوئی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا شب وروز ذکر پاک چیزوں کا استعمال ذکر اللہ کے ساتھ جینا شریعت رسول کی اتباع میں جینا انسان کو تقدس کی جانب لے جاتا ہے۔ جو لوگ غیر اللہ کی نفی کر کے بقا با اللہ کے حال میں ہیں وہ قابل احترام ہیں اور مریدوں پر ان کا احترام بھی واجب ہے بصورت دیگر نہیں۔ لیکن اگر جواز یہ ہے کہ وہ لوگ پیر و مرشد کی اولاد سے ہیں تو پھر حضرت نوح کے بیٹے کی نسبت کو کیا نام دیا جائے گا۔ لہٰذا ثابت یہ ہے کہ تقدس ہو گا نسبت سے اور نسبت ہے ذات باری تعالیٰ سے۔ یہ نسبت بے شک شیخ کے کسی مرید میں پائی جائے تو وہ محترم ٹھہرے گا بمقابلہ بے نسبت جیسنے والی پیر کی اولاد کے۔ کیونکہ ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ سارے انسان بہترین حیثیت و مقام کیساتھ پیدا کئے گئے ہیں۔ (سورۃ التین) یہ بعد میں انسان کا اپنا عمل ہے جو اسے اپنے خالق کے قریب رکھتا ہے۔ یا اس کو بے ہدایت رکھکر خالق و مالک سے دور لے جاتا ہے۔ (اسفالا سافلین)

دوسرے لفظوں میں شیخ سے عقیدت رکھنے والوں میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو بیعت کر کے بھی شیخ سے دور اور راہ ہدایت سے بھی دور رہتے ہیں جن میں شیخ کی اولاد بھی ہو سکتی ہے۔ دوسرے وہ جو شیخ کی تعلیمات کو اپنا کر راہ ہدایت پر چل کر تقویٰ اپنا کر فلاحیں میں شامل ہوتے ہیں جن میں اکثریت شیخ کے مریدین ہی کی ہوتی ہے۔ اولاد اکثر واقعات میں اپنے احساس تفاخر اور بے عملی سے یہ مقام پانے میں قاصر رہتی ہی دیکھی گئی ہے۔ کیونکہ عقیدت کا وہ معیار اولاد نہیں اپناتی جو شیخ کے مریدین رکھتے ہیں یہ ایک نفسیاتی اور انسانی مزاج کا سچ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

## الحق

تصوّف میں جہاں بھی حق کا لفظ استعمال ہوتا ہے وہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے آیا ہے۔ کیونکہ حق اسی چیز کو کہتے ہیں جو ثابت، قائم اور اٹل ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی سے بڑھ کر اور کون سی حقیقت ہے جو ثابت، قائم اور اٹل ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق "فذ الکم اللہ ربکم الحق" یعنی یہ ہے تمھارا پروردگار حق۔ کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کی قائم اور اٹل حقیقت کو جن لوگوں نے اپنے تئیں اور اپنے زعم میں مٹانا چاہا وہ خود مٹ گئے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہہ دواے افرادِ نسلِ انسانی، بلا شبہ تمھارے پروردگار سے وہ چیز تمھارے لئے آگئی (نزولِ وحی) جو حق ہے۔ اس لئے صوفی جب بھی حق کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب زمانے کی سچائی سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی ذات سے وابستہ حقیقت سے ہوتا ہے۔

## ترکِ دنیا

فرمانِ خداوندی ہے کہ "ایمان والو! اپنے اوپر حرام مت کرو وہ لذیذ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے حلال کر دی ہیں (المائدہ)" اسلام کا نکتہء نظر یہ ہے کہ جسم اور روح کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے جسم کو اس کا حق دیتے ہوئے روح کو اس کا حق دیا جائے۔ ان دونوں حقوق کی ادائیگی میں اعتدال وتوازن ضروری ہے۔ بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرمؐ کو جب یہ معلوم ہوا کہ کچھ اصحابہ کہتے ہیں کہ میں عبادتِ الٰہی کی خاطر گوشت نہ کھاؤں گا، بعض نے کہا میں شادی بیاہ نہ کروں گا، بعض نے کہا میں بستر پر نہ سوؤں گا تو آپؐ نے فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو ایسی باتیں کرتے ہیں میں ان سب سے افضل ہوں تاہم روزہ رکھتا ہوں، سوتا بھی ہوں، عبادت کے لئے کھڑا بھی ہوتا ہوں، گوشت بھی کھاتا ہوں اور شادی بیاہ بھی کرتا ہوں تو (سن لو) جو شخص میری سنت سے انحراف کرے گا تو وہ مجھ سے بے تعلق ہوگا۔ (تفسیر الحنار صفحہ ۲۲)

# قرآنی آیتوں کی قسمیں

## (سورۃ آلِ عمران آیت نمبر ۷)

قرآنی آیتوں کو مندرجہ ذیل تین حصوں (Catogries) میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

### 1:- محکمات

وہ آیات جو بڑے واضح حکم کے ساتھ نازل کی گئی ہیں۔یعنی انسانوں کو اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت اور دنیا میں معاشرتی زندگی گزارنے کے لئے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔یعنی ایسی آیتوں کو سننے اور سمجھ میں آنے والی بات کو ایسا ہی کہا جاسکتا ہے کہ انسانوں کو معاشرتی زندگی گزارنے کے لئے جو واضح حکم لکھا ہوا ہے اس میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔مثلاً نکاح میں لی جانے والی حلال مسلمان اور رشتہ دار عورتیں۔وراثت کی تقسیم ،ارکانِ اسلام کا اپنانا،نماز پڑھنا،زکوۃ دینا،روزہ رکھنا اور روزہ رکھنے کی اہلیت یا معافی کی صورتیں یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان میں ذرّہ برابر تبدیلی بھی نہیں کی جاسکتی۔بدلتے ہوئے حالات اور معاشرتی زندگی تبدیل ہونے کے باوجود ویسی کی ویسی ہی رہیں گی اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے ایسی آیتوں کو محکمات کا نام دیا جاتا ہے۔

### 2:- متاشبہات

دوسری (Category) وہ آیتیں ہیں جن میں اشاروں اور حوالوں سے ہدایت کی گئی ہے۔ایسی آیتوں میں یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہیں تبدیل کیا جاسکتا ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ ان کا اصل مطلب تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں مگر ان کی تشریح رسول اللہ کرتے ہیں۔ لہٰذا حکم ہوتا ہے جو رسول آپ کو دے اسے قبول کرلو،جس سے وہ منع فرمائے منع ہو جاؤ۔ مثلاً آدم کو حکم ہوا کہ تم اور حوا جنت میں رہو،کھاؤ پیو مگر اس درخت کے پاس نہ جانا کہیں شیطان تمہیں ورغلا نہ دے اور تم گمراہ ہو جاؤ۔اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تم کو ضرور ورغلائے گا بلکہ یہ کہا کہ کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے۔ایک دوسری جگہ پر حکم ہے کہ تم ایک ایک دو دو،تین تین،چار چار، بیویاں کرلو لیکن اگر تمہیں شک ہو کہ تم

انصاف نہیں کر پاؤ گئے تو ایک ہی بیوی کافی ہے یہ اور ایسی بہت ساری کئی آیتیں ہیں جن میں فیصلہ مسلمان پر چھوڑ دیا کہ وہ علم قرآن اور شعور کی بنا پر راہ حق میں فیصلہ کرے ایسی آیتوں کا ترجمہ یا قرآن کو اپنی مرضی کے معنی پہنانے والے کفار لوگ اپنی اپنی غرض وحمایت میں کرتے ہیں۔مگر جنہیں اللہ تعالیٰ نے شعورِ طیّب عطا فرمایا ہے، ایمان کی دولت سے نوازا ہے، راہِ ہدایت دکھا رکھی ہے وہ یہ سب کچھ اپنے اللہ کے حضور یہ کہہ کر قبول کرتے ہیں کہ اس کے معنی تو ہمارا اللہ ہی جانتا ہے مگر یہ سب کچھ ہمارے اوپر ہمارے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرم ہوا ہے۔ اس لئے وہ دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں ایک دفعہ ہدایت دے کر کج رو نہ کرنا کہ ہم راہ بھٹکنے والوں میں شمار ہو جائیں۔

## 3:- مقطعات

تیسرے درجہ پر نقل ہونے والی وہ قرآنی آیتیں ہیں جنہیں مقطعات بولا جاتا ہے۔

مثلاً ال م۔ حٰمٓ۔ یٰس۔ ق۔

عام طور پر یہی کہا اور سمجھا جاتا ہے کہ ایسی آیتوں کے اصل معنی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں حالانکہ شعوری پرکھ اور روحانی فکر دونوں کے اعتبار سے یہ تسلیم کر لینا کچھ مناسب نہیں۔ اسلئے کہ اگر ان آیتوں کا معنی حضور اکرم کو بھی بتانا اللہ کے ہاں ضروری نہیں تھا تو پھر یہ سارا علم اللہ تعالیٰ دوسرے بہت سارے علوم کی طرح اپنے ہاں ہی محفوظ رکھتا اور انہیں زینت قرآن نہ بناتا۔ یہ قرآن پاک میں شامل ہیں یہ ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کہ ان کا مفہوم و معنی حضور اکرم کو بھی معلوم نہیں۔ ہاں رسول اللہ نے اگر کسی بھی صحابی کو یہ معنی نہیں بتائے تو وہ الگ بات ہے۔ اور ایسا بھی یقیناً اللہ پاک کے حکم ہی سے ہوا ہے۔ اس میں کیا حکمت تھی کہ حضور اکرمؐ نے ان آیات مقطعات کا ترجمہ کبھی نہ کیا۔ یہ صرف ہمارے پیارے نبیؐ اور ہمارا اللہ جانتا ہے ہمیں صرف تسلیم کرنے سے غرض ہے۔ جوازات و دلائل میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

# مصیبت اور پریشانی

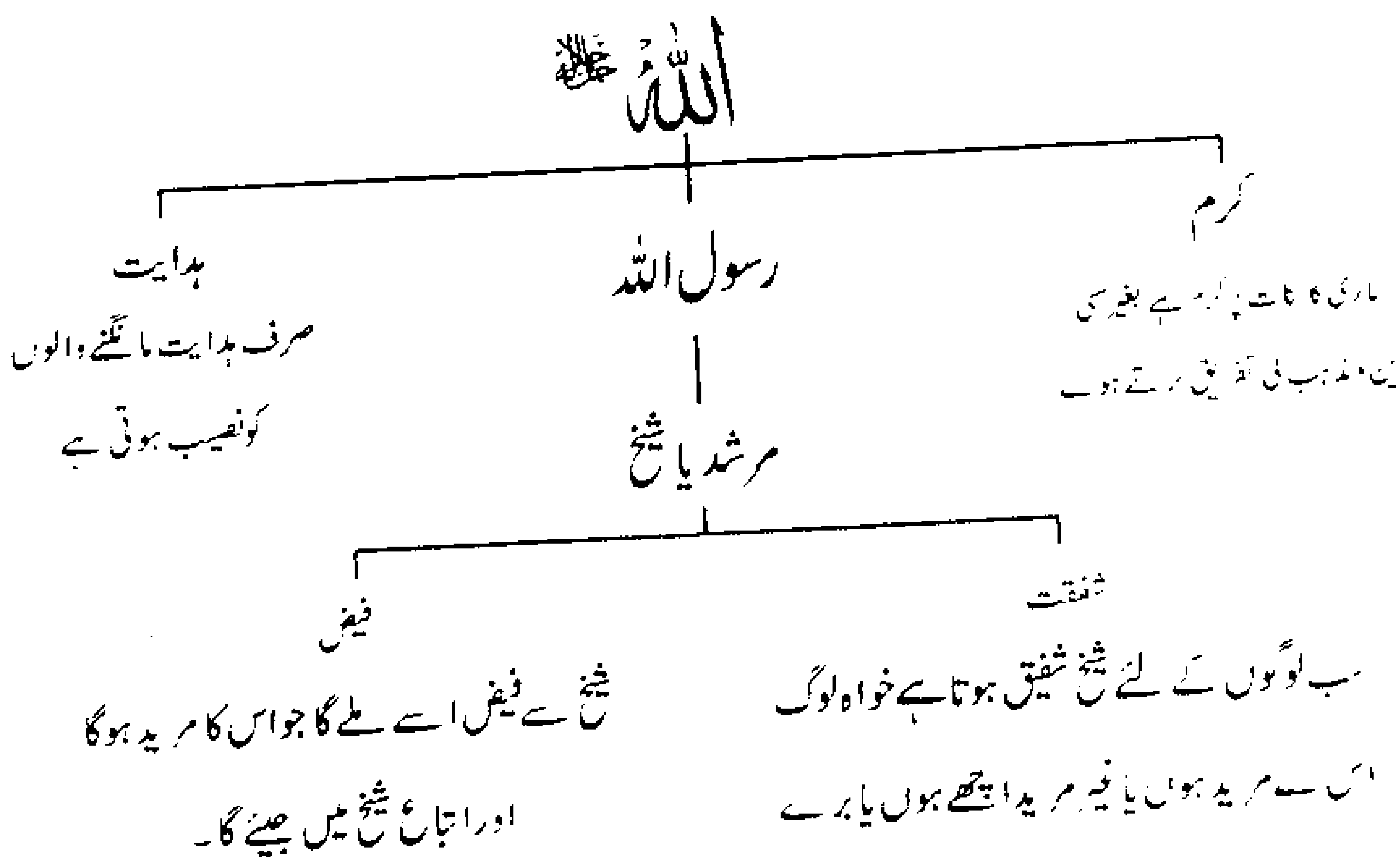
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا میں آنے والی ہر مصیبت خواہ تم پر یا زمین پر ہو انسان کی پیدائش سے پہلے ہی لوحِ محفوظ میں لکھ لی جاتی ہے اور ایسا اس لئے ہے کہ تم کو یہ یقین وایمان سے معلوم رہے کہ پیش آنے والی ہر پریشانی یا خوشی اللہ کی رضا سے ہوتی ہے اور اسے انسان تو روک ہی نہیں سکتا۔ اگر نقصان پیش آئے تو غم نہ کرے اور اگر خوشی ملے تو شیخی نہ بگھارے، کہ یہ بھی اللہ ہی کے حکم سے نصیب ہوتی ہے۔ بندے کا کام صرف اسی طرح زندگی گزارنا ہے جس طرح اللہ نے اس کے لئے زندگی گزارنا مقدر کر رکھا ہے اور زندگی کے اصولوں کی تشریح وغیرہ کیلئے ہمارے پاس نبی اور رسول بھیجے جو ہمیں اللہ کے احکامات پڑھ پڑھ کر سناتے رہے۔ اس انسانی زندگی اور عاقبت کو ایک ایسے خط سے تشبیہ دی جاتی ہے جو ایک شخص اپنی ضرورت کے وقت کسی دوسرے شخص کو لکھتا ہے کہ اسے فلاں فلاں چیز درکار ہے۔ وہ بھجوا دی جائے۔ اب اگر خط کی عبارت کتنے ہی واضح انداز سے تحریر کی جائے لیکن اگر ذریعہ ترسیل غلط استعمال کیا جائے تو خط مکتوب الیہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اگر وہ خط مکتوب الیہ کو پہنچا ہی نہیں تو لکھنے والا انتظار ہی میں رہے گا کہ خط پر عمل نہیں ہوا اور سوال کا جواب نہیں ملا۔ بعینہٖ اسی طرح اگر بندہ عبادت تو کر رہا ہے مگر اس کے الفاظ اور طرز عبادت سب کا سب رسولوں کے بتائے ہوئے طریقے (جسے شریعتِ نبوی کہا جاتا ہے) کے مطابق نہیں تو ہمارا وہ عمل تو خدا کے حضور پیش ہی نہ ہو سکے گا اور جب عمل اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہی نہیں ہو رہا تو اللہ تعالیٰ تو اس شخص کی تمنا پوری نہیں کرے گا سوائے اس کی زندگی گزارنے کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے جو اللہ تعالیٰ ہر شخص کو دے رہا ہے خواہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی ذاتِ واحد کا منکر اور اس کی قدرت کاملہ کا انکاری ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے ہماری عبادت کا صحیح طرز پر ہونا ضروری ہے۔ یہ صحیح طرزِ عبادت جاننے، سمجھنے اور پھر اس پر عمل کرنے کے لئے ہی تو مرشد کی بیعت کی جاتی ہے۔ (الحدید آیت نمبر ۲۳-۲۲)۔

# عمل کی عظمت اور اہمیت

اللہ تعالیٰ خالق و رازقِ مطلق ہے۔ اس کی صفت یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ فلاں چیز ہو جائے اور وہ ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ شک تو صرف اللہ تعالیٰ کا منکر ہی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو مشروط بھی کہا جا سکتا ہے اور غیر مشروط بھی۔ مثلاً یہ کہ سرسوں کا پھول آپ دنیا کے کسی کونے میں اگائیں اس کا رنگ پیلا ہی ہوگا۔ یہ ایک شرط ہے کہ سرسوں کا پھول پیلا ہوگا اور غیر مشروط یہ کہ اس پھول پر کوئی قید نہیں کہ پاکستان میں تو وہ پیلا ہوگا اور برازیل میں پیدا ہونے کی وجہ سے اس کی رنگت بدل جائے گی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بھی اسی صفت کا حامل ہے۔ یعنی انسان کو صرف وہ کچھ ہی ملے گا جس کی وہ کوشش کرے گا۔ اس کے لئے کوئی شرط نہیں کہ کون لوگ، کیسے لوگ اور کہاں کے لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔ ایک شخص جو بھی کرے گا اس کا صلہ اسی نسبت سے اس کو ملے گا۔ اس آیت مقدسہ کے فلسفے کو اللہ تعالیٰ نے مزید آگے بڑھایا اور واضح کیا کہ جو شخص منہ کے بل گرا ہوا چل رہا ہو وہ منزل پر پہنچے گا یا وہ شخص منزلِ مقصود پر زیادہ جلد پہنچے گا جو ایک سیدھے اور ہموار راہ پر چل رہا ہوگا (سورۃ ملک ۲۲) اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان باللہ کے ساتھ، اس کی طرف سے برکتوں کی امیدوں کے ساتھ، اس کے فضل و کرم کے ساتھ جس قدر زیادہ کوشش اور جدوجہد ہوگی اتنا ہی نتیجہ بہتر ہوگا۔ سوائے کرم اللہ کے جو کہ مسلم اور غیر مسلموں پر یکساں ہے۔ صرف اس کی عظمت کا اعتراف کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے تعریف کرنے یا نہ کرنے سے بالکل بے نیاز ہے۔ انسان کا عمل کرنا ایک شرط ہے اس میں برکت ڈالنا اس واحد القادر کی مرضی اور اختیار ہے وہ ڈالے یا نہ ڈالے اس سے جواب طلبی نہیں کی جا سکتی اور نہ احتجاج۔

اللہ تعالیٰ کی صفات و اصول بے شمار ہیں۔ کوئی گمراہ یہ سوال کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اگر پیدا کیا تھا تو اسے راہِ راست بھی دیتا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ خالق

نے اپنی مرضی سے خلاقت پیدا کی، پھر مخلوق کے ذمہ کچھ کام لگائے اور وہ کام کرنے کے لئے راہنما اصول یعنی گائیڈ بھی بھیج دی۔ اس گائیڈ کا ترجمہ کرنے اور قاری کے پڑھنے پڑھانے کے لئے اس کے مترجم بھی بھیجے اور اس کی راہنمائی کے لئے راہنما بھی بھیج دیے اور پھر حکم دیا کہ ایسے زندگی گزارو جیسے ہمارے بھیجے ہوئے انبیاء اور صالحین نے اپنی زندگی گزاری۔ اور ہمیں اپنی پیروی کرنے کو کہا اگر احکامات بھیجنے اور اس کے سمجھانے میں فرق ہے تو گمراہ کہہ سکتا ہے کہ وہ بے قصور ہے لیکن ہمیں ہدایت ملنے میں تو کوئی کمی نہیں ہے۔ آئیں ہم اپنی ذمہ داری قبول کریں اور نیک عمل شروع کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت و برکت کی دعا کریں۔




ثابت یہ ہوا کہ اللہ کے کرم کے حصول کے لیے کوشش کی جائے یا نہ کی جائے، ذات باری تعالیٰ سے مشروط ہے لہذا کرم ملے گا مگر ہدایت صرف ہدایت چاہنے والوں کو ملتی ہے بعین اسی طرح ایک شیخ ہر شخص کے لیئے شفیق ہوتا ہے مگر اس سے فیض صرف انہیں ملے گا جو اس کی صحبتوں میں رہے گا اور اتباع شیخ میں جیئے گا۔

فلسفہ کرم اورفیض کو سمجھنے کے لئے آیت الکرسی کے آخری جملے (سورۃ البقر 255) یعنی ہدایت تو صرت ہدایت طلب کرنے والوں کونصیب ہوتی ہے کو سمجھنا ضروری ہے اور (سورۃ توبہ آیت ۔ 6) کا مفہوم سمجھنا بھی درکار ہے۔ کیونکہ کرم سے تو اللہ تعالیٰ غیر مشروط نوازتے ہیں اور فیض نیک لوگوں کی صحبتوں کے اختیار کرنے سے ملتا ہے اور یہ صحبت نیک وطیّب حضور اکرمؐ کی محبت ہے۔ لہٰذا سوال کیا جا سکتا ہے کہ فیض ہے کیا۔ جواب عرض ہے کہ فیض کوئی مادی شے نہیں ہے جو شیخ اپنے مرید کو پکڑا دے کر اسے سنبھال کہ جیب میں رکھ لیا جائے یا پھونک مار کر مرید پر وارد کر دیا جاوے۔ یہ فیض ایک روّیے کا نام ہے جو ایک مرید اپنے شیخ کے طرز زندگی اور عمل کے معمولات کو دیکھ کر خود اپناتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کردار کا عملی نمونہ ہے۔ فیض رسول اللہ سے ہوتا ہوا شیخ وولی اللہ سے ملے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے گھر میں فاقے ہیں کھانے کیلئے کچھ نہیں دعا فرمائیں کہ ہمارا رب ہمیں اس تنگ دستی سے نجات دیکر خوش حال کر دے حضور اکرمؐ نے اسے یہ نہ کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں ۔ تبلیغ اسلام کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں لہذا تم میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ اللہ اللہ کرو۔ تبلیغ دین اسلام کرو۔ اللہ رازق ہے وہ تمہیں اور تمہارے بچوں کیلئے رزق بھیج دے گا بلکہ اسے جنگل میں لکڑیاں کاٹنے کیلئے کلہاڑے اور ایک رسی کا بندوبست کر کے دیا اور فرمایا اس جنگل سے لکڑیاں کاٹو اور بازار میں بیچ کر رزق حلال کماؤ خود بھی کھاؤ اور بچوکو بھی کھلاؤ۔ ہمارا اللہ تمہیں خوشحال کر دے گا۔ یہ ہے عمل کی عظمت۔

# سُکھ چین

سکھ چین کیا چیز ہے؟ ہر شخص سکھ چین کا ذکر کرتا ہے مگر معلوم نہیں کہ وہ سکھ چین پاتا ہے یا نہیں۔ سکھی لوگوں کے ہونٹوں پر قہقہے ہوتے ہیں اور خوش لباس ہو کر اس کا اظہار بھی کرتے ہیں کبھی کبھار ہمرازوں سے مل کر اس کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ کبھی انسان آنسوؤں سے تر چہروں سے بھی چین پاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ چین اس قدر بے مقام اور نظر نہ آنے والی شئے کیوں ہے اور صرف محسوس ہی کیوں ہوتا ہے؟ کاش کوئی اہلِ درد اور اہلِ قلم یا اہلِ راز اس کی کوئی تعریف کر دے تا کہ مجھ جیسے کم علم کو اسے سمجھنے یا سمجھانے میں کوئی مدد مل جائے اور میرے بے سکون دل کو چین آ جائے۔

کبھی انسان کسی اور کو خوش کرے تو سکون محسوس کرتا ہے اور کبھی کبھی کسی کو دعا دے کر خوش ہوتا ہے۔ نہ جانے کیوں انسان اپنے دشمن کو اذیت میں دیکھ کر یا اسے نقصان اٹھاتے ہوئے دیکھ کر بھی چین سا محسوس کرتا ہے؟ دشمن کو یوں سخت اذیت میں تڑپتا دیکھ کر کیوں خوشی محسوس ہوتی ہے؟ لیکن جب ایسا ہی شخص اپنی جان اور خوشیوں کو قربان کر کے کسی دوسرے کے دکھ درد کو دور کرتا ہے تو نہ صرف سکون و چین پاتا ہے بلکہ فخر کرتا ہے کہ ایسا سکون بخش عمل کرنے والا وہ خود ہے اگر میرا مشاہدہ صحیح ہے تو آئیں دونوں ملکر سکھ چین کا کھوج لگائیں کہ یہ کیا ہے اور اس کو کیسے پایا جاتا ہے۔

ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے جیسے چاہے کرے اور سکون پائے۔ اور دوسرا یہ کہ ہم اپنی روح کو سکھ چین کی تلاش کا ذمہ سونپ دیں اور خود روح کو سمجھیں اور جانیں کہ روح کیا ہے۔ روح تو امرِ ربی ہے یعنی اللہ کا چاہنا یا اللہ کا حکم اگر روح امرِ ربی ہے تو آئیں پھر اس روح کی بات بھی امرِ ربی کو سنیں اور اس کی بات مانیں اور خود کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر زندگی سکون و چین سے گزاریں۔ روح نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ جب تم زندگی کی کمی بیشی پر قادر نہیں، عزت اور شہرت پانے میں اللہ کے محتاج ہو، پریشانی اس کے حکم سے آتی ہے، بیماری سے شفاء وہ دیتا ہے اولاد وہ بخشتا ہے دل کی تسلی و فرحت کسی اور کے ہاتھ میں ہے تو تم پریشان کیوں ہوتے ہو میری روح کا یہ مشورہ

مجھے بہت بھایا اور میں نے اس کی مان لی تب سے میں سکون میں ہوں ایسی سوچوں کا احساس اوران پر یقین اوراس یقین میں جینا ہی راضی بہ رضا کہلاتا ہے۔

## اصحابِ صفہ

یہ تین چار سو کے قریب مسلمانوں کا ایک گروہ تھا جو حضور اکرمؐ کے سامنے ہر وقت مدینہ میں موجود رہتا، جہاں حکم ملتا وہ لوگ چلے جاتے، فارغ وقت میں علم و دین سیکھتے اور سکھاتے تھے۔ راہِ حق میں اسطرح مستغرق تھے کہ کسبِ معاش کرنے کا نہ سوچا اور نہ وقت ملتا تھا ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا۔ (سورۃ البقرہ ۲۷۳) کہ وہ لوگ جو راہِ دین میں زندگی گزار رہے ہیں، صدقات وخیرات اور مدد کے سب سے زیادہ حق دار ہیں، دین نے انہیں بھیک مانگنے سے منع کر رکھا ہے وہ خوددار ہیں مانگتے نہیں ان کا خیال کرو اللہ تعالیٰ آپ کوان کی خدمت ومدد کرنے کا پورا پورا صلہ دے گا۔

درویش وصوفی بھی ایسے پسندیدہ اور اللہ کے برگزیدہ لوگوں کی سنت کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔جسکی نہ صرف رسول مقبول نے حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اسی طرز زندگی کو پسند فرما کر ہمیں ان کی خدمت کرنے کا مذکورہ بالا حکم دیا۔

## محبت

انسان کو محبت تو کسی غیر فانی ذات سے کرنا چاہیے۔تا کہ سکون واطمینان سے رہا جا سکے۔کبھی آپ نے محبت مجازی سے لطف حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔محبّ سے محبوب علیحدہ ہونے کی صورت پر بہت افسردہ ہوجاتا ہے اور چاہتا ہے کہ محبوب کچھ دیر اوراس کے ساتھ رہے یہ اس کا دل چاہتا ہے۔اسی طرح روح بھی لافانی محبوب کی تلاش مانگتی ہے جو ازلی ہے اورابدی ہے۔صرف اسی کے عشق میں مبتلا ہوکر ہم ابدی سکون پا سکیں گے کبھی ہم نے سوچا ہے کہ مجازی محبوب بالخصوص صنفِ نازک کوایک مُحب شریک حیات کی شکل میں اپنی اہلیہ کیوں بنانا چاہتا ہے۔؟ اس لئے کہ وہ اس سے دور نہ ہواور زیادہ وقت اسی کے ساتھ اور وہ اس کے سامنے رہے۔کیا یہ دلیل فانی لذّت اور غیر فانی لذّت یا اطمینان کے فرق کو سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے۔اچھائی اور برائی والی دونوں قوتیں اللہ تعالیٰ نے انسان میں

پیدا کی ہیں اور انسان کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی پسند کی چیز کو اختیار کرے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے (Anti Biotic) دوائی کھائی جاتی ہے تا کہ وہ ان غیر ضروری اور بیماری پیدا کرنے والے عناصر کا قلع قمع کر دے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کو ملنے والی ہدایت برائیوں کو ختم کرنے کے لئے (Anti Biotic) کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو شخص بھی ہدایت پر عمل کرے گا وہ برائی کے عناصر ختم کر لے گا اور اچھائی میں رہ کر زندگی گزارے گا برعکس اگر برائی غالب آگئی تو یقیناً اچھائی دب جائے گی۔ لہٰذا ایک مرید کو چاہیے کہ وہ یہ اندازہ خود لگائے کہ جس طرز زندگی پر وہ جی رہا ہے کس حد تک اسے اپنے رب کے قریب تر رکھ رہی ہے۔ اس تجزیہ اور جمع تفریق کے عمل میں ذرا سی غلطی انسانوں کو بہت بڑا نقصان دے سکتی ہے۔ ایسے عمل کو خود احتسابی کا نام دیا جاتا ہے ایک صوفی ہمیشہ خود احتسابی کے عمل میں ہی ہوتا ہے۔

## حضرت مریم

حضرت مریم دنیا بھر کی عورتوں پر فضیلت دے کر پیدا کی گئیں ہیں (سورۃ العمران ۴۲)۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بھی عفت و پاکیزگی کی عظمت کی گواہی اللہ تعالیٰ خود دے رہے ہیں۔ مگر حضرت مریم کے بارے میں بھی فرمایا کہ ہم نے دنیا بھر کی عورتوں پر تجھے فضیلت دے کر پیدا کیا۔ اس پاکیزگی اور عظمت کے باوجود انہیں حکم ہو رہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی تابع فرمان بن کر رہو اسی کے آگے سر بسجود ہو کر نماز پڑھو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان پر غفلت اور جاہلیت کا حملہ کسی لمحہ بھی ہونے کا خطرہ موجود ہوتا ہے۔ شیطان مردود اس کو وسوسوں میں ڈال کر بہکا سکتا ہے اس لئے ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور فکر کے ساتھ رہنا چاہیے اس طرح دنیوی آلائشوں سے خود بخود نجات ملتی رہے گی۔ اس سے سبق یہ ملتا ہے کہ وہ لوگ جن کی عظمت کا گواہ خود اللہ تعالیٰ ہے ان کو بھی نماز کی تلقین ہو رہی ہے تو مجھ جیسے گناہ گار کا کیا عالم ہوگا۔ تو اے طالبِ تصوّف! اپنا احتساب خود کرتے ہوئے راہِ ہدایت و مستقیم اختیار کرو تا کہ تم اپنے رب کے مقربین میں گنے جاؤ۔ صرف رسموں کی ادائیگی کرنے والے مت بنو خود سے سوال کرتے رہو کہ راہ تصوّف اختیار

کرنے پر یا شیخ سے بعیت کرنے کے بعد میری زندگی میں کیا مثبت تبدیلی رونما ہو رہی ہے۔ آپ کا خود سے یہ سوال کرنا یقیناً کوئی جواب دے گا آپ اس جواب کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ آئندہ آپ کا طرز زندگی اور زندگی سے رویہ کیسا ہونا چاہیے۔ اپنے دل کو گواہ بنا کر چلو دنیا کو مطمئن کرنے یا اُن سے واہ واہ کا حصول کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ نہ اس دنیا میں اور نہ بعد کی زندگی میں۔

## آدابِ مجلسِ اصفیاءاکرام

آدابِ مجلس کے بارے میں حکم ہے کہ سرگوشیاں کرنا گناہ ہے۔ کیونکہ سرگوشیاں ان لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتی ہیں جو تھوڑے دور فاصلے پر بیٹھے ہوتے ہیں اور آپ کی سرگوشیوں کو سن نہیں سکتے۔ ساتھ ہی اس سے صدرِ مجلس کی توہین کا پہلو بھی نکلتا ہے اور دوسرا صدرِ مجلس کی طرف سے زیرِ بحث مسئلے کو کم تر جاننے کا تاثر بھی ملتا ہے اور خود سرگوشیوں میں مصروف لوگوں کا موضوع گفتگو یا زیر بحث مسئلے کے بارے میں غیر سنجیدہ ہونا بھی واضح ہوتا ہے۔ اسی لیئے حکم ہوا کہ ایسا نہ کرو۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی سے اس شخص کے یا اجتماعی نفع کی بات یا خیر کی بات کرنا چاہے تو ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ سرگوشیاں کرنے سے پہلے مسلمان کو چاہیے کہ صدقہ وخیرات کرلیں۔ مگر یہ حکم تب لاگو تھا جب سرگوشی رسول مقبولؐ کی مجلس میں کرنا مقصود ہوتا تھا۔ اس لئے معاشرتی بگاڑ یا فساد سے دور رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے عمل سے منع فرمایا ہے۔ پھر آگے چل کر فرمایا کہ اے لوگو! جب یہ کہا جائے کہ مجلس میں ذرا کھل جاؤ، جگہ پیدا کرو یا کہا جائے کہ اٹھ کر چلے جاؤ تو اس حکم کی تعمیل کرو اسی میں تمھارے لئے بہتری ہے کیونکہ کہ نافرمانی کی وجہ سے تمہیں نقصان ہوگا۔ ان سارے احکامات کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ مجلسی آداب کی یہ چھوٹی سی پابندی ہی ہمارے لئے فلاح اور خوشیوں کے راستے کھول دیتی ہے۔ آج چونکہ رسولِ مقبولؐ ہم میں موجود نہیں اور ان کی سنت کو پورا کرنے کے لئے علماء ومشائخ ہیں۔ ان علماء کی مجلسوں میں بیٹھنے، ان کے پاس حاضری دینے کے عمل کو ویسے ہی مجلسی آداب ویسی ہی محبت اور عقیدت سے ادا کرنا یا ان پر عمل کرنا ضروری ہے جس طرح صحابہ اکرامؓ حضور اکرمؐ

کی مجلس میں پاسداری کرتے تھے۔ ایک صحیح اور راسخ العقیدہ مرید اسی لئے اپنے پیر کی مجلس میں اس کے سامنے با آدابِ تحریم وتکریم کے ساتھ حاضر ہوتا ہے اور کھڑا رہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو، سنتِ حضورِ اکرمؐ کی تعمیل کو اپنے اوپر لاگو کر کے معاشرے میں عملی نمونہ پیش کرے (سورۃ مجادلہ۔ آیت نمبر ۱۱)

## مرشد کے حضور باادب ہونے کی وجہ تسمیہ

آپ کی آنکھوں نے یہ منظر عام دیکھا ہوگا کہ مرید اپنے مرشد کے حضور خاموشی کی حالت میں صرف اپنے مرشد کی باتیں سن رہا ہوتا ہے۔ آگے سے کچھ نہیں بولتا۔ بعض اوقات تو دیکھنے والوں کو مرید کی ایسی حالت پر ترس آنے لگتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مرید اس توجہ اور ادب کے ساتھ اپنے مرشد کے حضور کیوں کھڑا ہوتا ہے۔؟ اولیاء اور اصفیاء کے قریب اس کی وجہ تسمیہ وہی ہے جسے ہم پہلے کہہ چکے ہیں اور اس کو پھر دہراتے ہیں کہ ایک سچا عاشقِ رسولؐ وہی ہوسکتا ہے جو شریعت رسول کی پابندی میں اپنی زندگی کے ہر عمل کو ڈھال لیتا ہے۔ اس کی حرکت، اپنے بستر سے اٹھنے سے لیکر دوبارہ رات کو سونے تک کا ہر کام اور ہر عمل، ہر بات اور ہر سوچ خاتم النبین کی زندگی، جسے سنتِ رسولؐ کہا جاتا ہے، سے ماخوذ ہوتی ہے کہ کس مسلے میں شریعتِ رسولِ مقبولؐ کا کیا حکم ہے۔ یعنی ایک عاشقِ رسولؐ کی ہر حرکت اور ہر عمل سنت رسول کی تصویر ہوتی ہے۔ ایک سچے مرشد کا سچا مرید حکمِ مرشد کو بڑی توجہ اور محویت کے ساتھ سنتا اور ہدایت لے رہا ہوتا ہے کیونکہ اس کی ساری زندگی کا

دارومدار ان ہدایات پر عمل کرنے پر ہے اس لئے وہ احکاماتِ مرشد کو بڑی عقیدت سے سن رہا ہوتا ہے۔ بالکل ایسے جیسے حضور اکرمؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی کو حضرت جبرائیل سے سنتے تھے۔ چونکہ ایک مرشد اپنے مریدین میں وہی دینی پیغام پھیلا رہا ہوتا ہے جو ایک نبی اپنی امت کو اللہ کا پیغام دیتا ہے۔ نزولِ وحی کے وقت حضور اکرمؐ اشتیاق سے وحی کے الفاظ کو دہراتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم و ہدایت اور وعدہ فرمایا کہ اے نبیؐ تم ایسے بے شک نہ کرو۔ یہ کام تمھارے رب کا ہے وہ ساری وحی تمھارے قلب پر لفظ بہ

لفظ رکھ دے اور تمھیں از بر یاد کروا دے اور پھر تبلیغ کے وقت تمھیں حرف بہ حرف زبان پر لانے کی کیفیت اور طاقت پیدا عطا کر دے۔ سنتِ رسولؐ کے اتباع اور حکمِ اللہ کی تعمیل کرنے کو مرشد سے ہدایات و احکامات، جو کہ ہرگز ہرگز قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہوتے، ایک مرید ایسے سنتا اور قبول کرتا ہے جیسے حضور اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ کی وحی کو قبول کیا تھا۔ کیونکہ بالآخر ایک مرید کا منتہائے ارادہ صرف وصرف اتباعِ رسولؐ میں جینا اور مرنا ہے۔ اس زندگی اور جینے کی طرز کی اصلاح ایک مرید اپنے مرشدِ حقیقت سے طلب کرتا رہتا ہے۔ یہ سوال دوسرا ہے کہ مرشد کی اپنی زندگی کا طرز یا علم و عمل کی سمت و معیار حقیقی ہے یا خود ساختہ۔ اس اختلاف پر یقیناً اعتراض بھی ہوسکتا ہے اور نہیں بھی۔ اس میں نوعیت بہ نوعیت اور شخص بہ شخص کا معاملہ ہے جسے کلی طور پر صحیح یا غلط نہیں کہا جا سکتا۔ جعلی پیر بھی ہیں اور جعلی مرید بھی ہیں۔ حق بھی ہے اور باطل بھی ہے۔ حی القیوم بھی ہے اور حادث و فانی بھی ہے اور اس فرق کو جاننے کی سعی اور کوشش ہی فکری تصوّف کی بنیاد ہے اور اس کا حصول تصوّف کی انتہا اور ایک صوفی وفقیر کی منزل (سورۃ قیامت آیت نمبر ۱۹۔۱۷)۔

## کتاب اور حکمت

وہی ہے جس نے ناخواندہ (عرب) لوگوں میں اپنی کتاب وحکمت دے کر ایک پیغمبر بھیجے جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو حکمت اور دانشمندی سکھلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کتاب اور حکمت میں دو علیحدہ علیحدہ چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ یعنی رسول مقبولؐ ایک تو کتابِ مبین یعنی قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر انہیں یاد کراتے ہیں تاکہ وہ گمراہی سے نکل کر حقیقت جانیں اور دوسری اس قرآن کی آیتوں کی تشریح کر کے انہیں واضح کرتے ہیں۔ کہ اس عالمِ موجود کا خالق کون ہے اس کی صفات کیا ہیں اور دنیا میں رہ کر انسانوں کو کس طرح کی زندگی گزارنا ہے۔ دنیاوی معاملات کو کیسے نمٹانا ہے تاکہ زندگی کا وہ معیار جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہء مومن کے لئے تجویز کیا ہے اس سے باہر نہ نکلیں اور دنیاوی زندگی کے معاشرتی معاملات بھی چلتے رہیں۔ اس لئے وہ کتاب پڑھ کر سناتا ہے اور دانشمندی بھی سکھاتا ہے۔ آگے فرمایا جنہیں آسمانی کتاب تورات دی گئی

اس پر انہوں نے عمل نہیں کیا اس عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان کی حالت ایسے ہے جیسے گدھے پر لادی ہوئے کتابیں ہونے کے باوجود وہ بےخبر رہتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے جعلی صوفی یا مولوی چند ایک قرآنی آیتوں کو یاد کر لینے ہی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ کر جیتے رہتے ہیں۔ کیا یہ سچائی نہیں کہ اگر ہم قرآن سے اپنی زندگی گزارنے کا سلیقہ حاصل نہیں کرتے تو کیا پھر ہم اُس گدھے سے مختلف ہیں جس پر سینکڑوں کتابیں لدی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہی وہ نقطۂ آغاز ہے جہاں سے ایک شیخ ایک مرشد اپنے مرید کو زندگی کا آغاز کرواتا ہے کہ زندگی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کیلئے تجویز فرمائی۔ پھر اسے رسولوں کے ذریعے اپنی ہدایات پہنچائی ہیں۔ اگر ان ہدایات سے منہ پھیریں گے تو اصل زندگی سے دور ہو جائیں گے۔ اگر اس سے منہ نہ پھیریں، ان کی صداقت کا اعتراف تو کریں مگر اپنی زندگیوں پر لاگو نہ کریں گے تو زندگی کے اصل کو پھر بھی نہ سمجھ سکیں گے اور اگر اپنی زندگی میں ان ہدایات کو شامل کر کے ان پر کماحقہ عمل کریں گے تو زندگی اور زندگی کی حکمت دونوں پائیں گے۔ جس سے مرید کی زندگی کے دونوں پہلو یعنی دنیاوی اور دینی روشن ہوں گے اور وہ کامیاب ہو گا۔ ایک بےعمل صوفی چونکہ زندگی کی اس مشقت و مجاہدات سے بہت دور ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے مانگتا ہے اس لئے وہ اپنے حلقۂ اختیار و احباب میں یہی درس دیتا ہے کہ بس پیر و مرشد کا چہرہ دیکھنا ہی سب کچھ ہے۔ پیر کی خدمت میں ہی عبادتِ زندگی کا مفہوم پوشیدہ ہے پیر کی خدمت میں بیٹھنا نمازوں سے بھی افضل ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے طرزِ زندگی سے نہ وہ پیر خود کچھ حاصل کر پاتا ہے اور نہ ہی اس کے مرید کو کچھ حاصل ہوتا ہے۔ سوائے ایک پیشہ سے وابستگی کے کہ انہیں لوگ کھانے پینے کی اشیاء دیتے رہتے ہیں اور یہ کھاتے پیتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ بڑی کامیابی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ حقیقی صوفی یا پیر کو پرکھنے کے لئے بےکلاہ کہتا ہے کہ اگر ایک پیر اپنے حجرے کے اخراجات اپنی حلال کمائی سے اٹھا رہا ہے اور مریدین اور غیر لوگوں کی بھی دین اور دینوی خدمت کرتا ہے تو وہ حق پرست ہے وہ پیر کے ساتھ مرُشد بھی ہے۔ صرف ایسے مرشد کی بیعت کرنا چاہیے۔ لیکن اگر حجرے کے سارے اخراجات مریدین اور ارادات مند لوگ اپنی مشقت سے کمائی ہوئی حقیر رقوم جمع کر کر کے برداشت کر رہے ہیں تو وہ ایسا پیر کامیاب کاروباری شخص یا پیر تو ہو

سکتا ہے۔ مرشد ہرگز نہیں کہلا سکتا اور ایسے لوگوں نے ہی اسلامی تصوّف کو بدنام کر رکھا ہے۔

## کافر خوشحال کیوں ہوتے ہیں۔؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم کافروں کو مہلت صرف اس لئے دے رہے ہیں کہ وہ جرم میں اور ترقی کریں پھر انہیں توہین آمیز سزا ہوگی۔ جب معاشرتی زندگی کے وہ اصول جو اللہ تعالیٰ نے تجویز کر رکھے ہیں ان سے انحراف کیا جائے اور اپنی پسند سے فیصلے اور نفع ونقصان جان کر کیے جائیں تو دنیاوی معاملات میں کامیابی تو ہوسکتی ہے۔ برعکس اس کے اگر اسلامی فلسفۂ حیات اپنا کر زندگی گزاری جائے تو دولت کا جمع ہونا مشکل ہے۔ کیونکہ اہل اللہ تو جمع وتفریق کے عمل سے بے نیاز ہوکر اپنی کمائی کو جائز طور پر خرچ کرتے ہیں جس سے ان کی معاشی وگھریلو ضرورتیں بھی پوری ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی کیونکہ ان کا سارا عمل اللہ کی راہ میں ہوتا ہے۔ جس میں صدقہ، خیرات، زکوٰۃ نیکی اور فلاحی سرگرمیوں میں شمولیت کیساتھ ساتھ ذاتی زندگی میں تقویٰ کا اختیار کرنا شامل ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ کے ولیوں کے پاس دولت جمع ہو ہی نہیں سکتی۔ (سورۃ العمران۔۱۷۸)

## فیض اور کرم

کرم صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس کا تعلق تقویٰ سے ہے اور اس کا حوالہ **''مَن یو نیب''** سے ہے۔ جبکہ فیض کا **''ماسعیٰ''** والے حوالے کے ساتھ ہے مزید قرآنی سورتیں جہاں جنگِ بدر اور جنگِ احد میں پیش آنے والے حالات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ پھر تمھارے رب نے تم پر کرم کیا اور فرشتے اتارے، اُونگھ دلائی اور فتح دی۔ ایک مومن کیلئے اللہ تعالیٰ کی راہ اور جہاد دو مختلف چیزیں اور صورتیں ہیں۔

اوّل الذکر یعنی جہاد مومنوں کی اُن کوششوں، قربانیوں اور مشقتوں کا نام ہے۔ جو وہ دین اسلام کو کفار اور غیر دینی قوتوں یا منافقوں سے پہنچنے والے نقصان سے بچانے کی خاطر کرتے ہیں کہ دین اسلام بے دین قوتوں پا حاوی رہے اور اللہ کی مرضی کو ہی اولیت حاصل ہو۔ ان کوششوں میں معمولی اتباع سنت رسول سے لیکر جنگ و جدل اور مزاحمت تک سب کوششیں شامل ہیں۔ چونکہ دین اسلام ہی کی تعلیمات پر عمل کرنے سے سے مخلوق

اللہ کی خدمت کا پہلو نکلتا ہے اسلیئے لوگوں کی خدمت کو اللہ کی راہ کا نام دیا گیا ہے۔

آ جکل کے سہل پسندی کے دور میں یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ جہاد دین اسلام کی بقاء اور اللہ کی راہ (مخلوق خدا) کی بقاء کا نام ہے۔ کچھ آرام پسند اور مشقت گریز لوگوں نے دونوں مذکورہ اصطلاحوں کو یوں گڈ مڈ کر کے رکھ دیا ہے کہ ایک ارادت مند کھو کر رہ گیا ہے کہ وہ کونسی راہ اختیار کرے اسے پیر صاحب جہاد کا لفظ تو سناتے ہیں مگر وہ محض زیب گفتگو بن کر رہ گیا ہے۔ جب ان کا جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام کی شاہراہ چھوڑ کر ایک چھوٹی سی پگڈنڈی پر چلنے کی تعلیم دی جا رہی ہے جس سے نہ صرف سلسلہ سے وابستہ لوگوں کو کچھ مل نہیں پاتا بلکہ اغیار کو منفی تنقید کا بھی موقع ملتا ہے۔ (العمران ۱۵۹) حکم ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے وطن ترک کیا اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ان کو تکلیفیں دی گئیں جنہوں نے میری راہ میں جہاد کیا اور شہید ہو گئے میں ضرور ان لوگوں کی خطائیں معاف کر دوں گا۔

## شیطانی لہر اور روحانی ماحول

بے کُلاہ یادِ اللہ کے ساتھ ایک مزار پر پہنچا جہاں عرس کی تقریبات منائی جا رہی تھیں۔ وہ فاتحہ خوانی سے فارغ ہوا تو صاحبِ مزار کے سجادہ نشین اور خانقاہ کے متولی کو اجنبی مسافر کے روحانی حال کا کچھ کچھ احساس ہوا کہ یادِ اللہ میں محویت کس قدر ظاہری تبدیلیاں پیدا کر کے اہلِ ذکر کو سامنے لاتی ہے۔ سجادہ نشین بڑے ادب سے ملا اور گفتگو کرنا چاہی۔ قبل اس کہ کے تکبر بے کُلاہ کے نفس کو منافقانہ تشکر کے الفاظ سکھاتا کہ وہ تو بڑا صاحبِ حال صوفی ہے وہ گویا ہوا۔ اے اللہ تیرا کرم ہے کہ مجھ جیسے کور چشم کی راہنمائی کے لئے کیسے کیسے سبب اور وسیلے بنا رکھے ہیں۔ سجادہ نشین کو مخاطب کر کے بولا کہ میں انسانی آنکھوں سے انسانی کانوں سے اور انسانی دل و دماغ سے چیزوں کی اصل معلوم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ حق جان سکوں کیا تم میری مدد کرو گے؟ سجادہ نشین کہ زاغ صفت شاہین تھا اپنی عبا کو درست کرتے ہوئے مریدوں کو حکم دینے لگا کہ باباجی کا خیال رکھو اور چل دیا بے کُلاہ رب کا شکر بجا لایا کہ تکبر کا شکار ہونے سے بچا لیا گیا اور سجادہ نشین پر شیطان ہنسنے لگا کہ چلو ایک تو

تکبر کا شکار ہو کر ہمارا ہوا۔

تو اے عزیز! تصوف تو نام ہے خود احتسابی کا اپنے نفسوں میں پوشیدہ اپنے خالق اور مالک کو دیکھنے اور پھر اسی کے ساتھ رہنے کا یہ نکتہ میں نے اسی صوفی سے سمجھا تھا جو کہتا تھا" جو دم غافل سو دم کافر سانوں مرشد ایہہ فرمایاہُو "۔ اگر میرے اللہ کی بتائی ہوئی صرف آیتوں کے پڑھنے سے مجھ جیسے بے وقعت انسان اور گناہ گار فرد پاک ہوتے ہیں۔ تو ذرا سوچو کہ اس اللہ کے ساتھ رہنے سے کیا مقام ملتا ہوگا۔ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

مرشدِ حق کے فرمان کے مطابق آئیں ہم اپنے رب کے اس وعدے کو یاد کریں جب اس نے شیطان کو کہا تھا کہ " جو میرے ہوں گے وہ تیرے بہکاوے میں نہیں آ میں گے " اور اپنی سانسوں کو اس اللہ ہی کی یاد سے جوڑ دیں جو یقیناً اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ آئیں ہم اپنے اللہ کے اس فخر پر پورا اترنے کی بساط بھر کوشش کریں جو اس نے اپنے بندوں پر کیا۔ یہ راہ مشکل تو ہے مگر ناممکن نہیں۔ آئیں عہد کریں کہ ہم خود فریب پیر سے بھی بچیں گے اور اپنے نفس کی مختلف چالوں سے بھی اور سہل پرست پیر کو چھوڑ کر کسی مجاہد مجاور خانقاہ کا رخ کریں جو ہمیں اپنی پاکیزہ روحوں کی حفاظت کرنا سکھائے نہ کہ نفس پرستی کا درس دے کر تھپک تھپک کر سلائے رکھے اور ہم اپنے پیر خانوں کو چونے پٹیاں کر کر کے خوش ہوتے رہیں کہ ہم مخلوق کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔

حضرت عباسؓ کا دینِ اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت علیؑ کے ساتھ مکالمہ یاد کریں جس میں حضرت عباسؓ نے کہا تھا کہ اے علی ہماری برائیوں پر تمہاری نظر ہے مگر جو ہم اچھائیاں کرتے ہیں انہیں نہ بھولو۔ کہ ہم خانہ کعبہ کی تعمیر و آبادکاری کرتے ہیں اور حج پر آنے والوں کو پانی پلاتے ہیں ان کی رہائش کا بندوبست کرتے ہیں اور ان کو دوسری سہولیات کے ساتھ ساتھ ان کو تحفظ دیتے ہیں ان کا ذکر تم کیوں نہیں کرتے ہو۔ تو جواب میں حضرت علی نے اللہ تعالیٰ کا فرمان سنایا تھا" یہ کام مشرکوں کا نہیں کہ وہ مسجدیں آباد کریں۔ اس حالت میں جب وہ اپنے اعمالِ کفر سے کفر تسلیم کرتے رہے ہیں" تو اے عزیز! آئیں اس چیز کی خوب چھان بین کر لیں کہ ہمارا پیر و مرشد کردار کا غازی ہے کہ گفتار کا ماہر کھلاڑی ہے جو شاہینوں، شہبازوں اور عقابوں کا ذکر کر کر کے مجاہدانہ زندگی کے صرف

اوصاف ہی گنواتا ہے۔ یا دنیائے مجاہد کا خود بھی باشندہ ہے۔ یہ نہ بھولیں کہ عام معاشرتی، ثقافتی اور سماجی زندگی میں ناکام لوگ حقیقت کی زندگی میں بھی ناکام ہی ملتے ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ حضور پاک ؐ کی حقیقی زندگی کی اصل تصویر ہی ان کی مجازی زندگی تھی۔ کہ وہ چلتے پھرتے قرآن سمجھے جاتے تھے۔ کیا ہم انہیں سے عشق و پیار رکھنے کے دعوے دار نہیں اگر ایسا ہے تو ہم اب تک کتنے فیضیاب ہوئے ہیں اُس عشق رسول سے۔ ہم سے تو یہ بھی نہیں ہو پا رہا کہ ہفتہ وار وہ ایک نماز ہی پڑھ لیں جسکے بارے حکم ہے جس وقت تمہیں نماز کیلئے پکارا جاتا ہے تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مسجد کیطرف دوڑو اور پھر جب نماز مکمل کر چکو تو زمین پر پھر سے اللہ کا فضل تلاش کرنے کیلئے پھیل جاؤ۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ اسلام نہ تو عام مفہوم کا کوئی مذہب ہے کہ چند عبادتیں رسمی طور پر ادا کر لینے سے مقصد دین پورا ہو جائے اور نہ محض ایک اخلاقی ضابطوں کا مجموعہ کہ خوش اخلاق لوگ پیدا کر لیں۔ نہ ہی روحانی فلسفہ کی کوئی تحریک کہ انسانوں کے روحانی مسلوں سے بحث کر کے کوئی ایک حل تجویز کر دے اور نہ ہی یہ عقاید کا مجموعہ ہے اسلام کے مسائل زندگی کے متعلق ہیں جو انسان کو ہر وقت پیش آتے ہیں اور جن کے صحیح حل پر اُس کے حفظ و بقا ترقی اور نشونما کا دارومدار ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس فطرت پر پیدا کیا ہے ہمیں اُسی کی اتباع کرنا چاہیے وہ ذات فاطر السمٰوات ہے اور دنیا جہاں کی ہر شے اُس کی فرمان بردار ہے۔ (سورۃ العمران آیت 3)۔

ایک صوفی کی کامیاب معاشرتی زندگی کی ضمانت صرف اسلام ہی دے سکتا ہے اور کوئی نظریہ یا فلسفہ ایسا کرنے سے قاصر ہے۔

# انسانی قلب اور حقیقت کا چھپانا

انسان تو دنیا میں اللہ کا نائب ہے لہٰذا وہ جو بھی دیکھے اسے لوگوں سے کہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے واحد اور لاشریک ہونے کی گواہی دینی چاہیے۔ کیونکہ اس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جانے والی پالیسی لائن پر عمل درآمد کرے۔ اب اگر وہ کسی حقیقت کو چھپاتا ہے خواہ کسی بھی مصلحت کے تحت : تو اس کا نہ صرف گناہ بلکہ نتیجہ بھی وہی بھگتے گا (البقرہ ۲۸۳)۔ جب انسانی قلب پر اس کے عمل کا منفی اثر ہوگا تو آئندہ کے لئے وہ انسان اپنی سمت Direction کھو بیٹھے گا اور اس کا ہر کام غلط سمت چلنا شروع ہو جائے گا اور یوں وہ انسانیت سے دور ہوتے ہوتے اپنے اصلی مقام یعنی اللہ کی نیابت سے بھی خارج ہو جائے گا اور ایک وقت وہ آئے گا کہ وہ اس قلب کا مالک ہو جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس پر پردہ پڑ جاتا ہے پھر اے نبیؐ تو اسے سمجھائے یا نہ سمجھائے وہ سیدھے راستے پر آنے کا نہیں ہے۔ حقیقت کو چھپانے پر اس ذلت و جہالت کا سامنا کرنے سے بچنے کے لئے ایک صوفی اپنے حلقہءِ ارادت میں بیٹھنے والوں کو ایک ایسا سبق دیتا ہے یا ایسی طرزِ عمل کی نشاندہی کرتے ہوئے ایک اصطلاح استعمال کرتا ہے جسے قلب کا جاری ہونا کہتے ہیں۔ مرید اپنی دعاؤں میں بھی یہ آرزو شامل کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا قلب جاری فرما کہ میں وہ زندگی گزاروں جس کے لئے تو نے ہمارے لئے انبیاء بھیج کر نشاندہی کی ہے اِس قلب کے جاری ہونے کو فیض کا جاری ہونا بھی کہا جاتا ہے۔ فیض چونکہ عمل کے نتیجے میں آنے والے حصول کو کہتے ہیں جو ہر وقت ایک صوفی کے قلب میں جاگزیں ہوتا ہے اور وہ ہر نفس اللہ کی یاد میں گزارتا ہے اس لئے وہ اپنے نفس کو پاک اور صاف رکھنے کے لئے شب وروز اپنے مالک کی یاد میں محو رہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کی عاقبت کا انحصار ان باتوں پر ہے جو اس کے ذہن میں اٹھتی ہیں اور اس کے ردِعمل میں جو کچھ بھی وہ عمل کرتا ہے یہ عمل اسے الحادو زندیق بھی بنا سکتا ہے اور حق شناس مردِ مجاہد بھی۔ اگر وہ نفس میں اٹھنے والے

خیالوں اور باتوں کو لوگوں سے چھپائے گا تو گنہگار رہو گا (البقرہ ۲۸۴)۔تو ثابت یہ ہوا کہ ایک صوفی اپنے ذہن کو تو ساکن اور خاموش مگر قلب کو جاری رکھتا ہے اس لئے کہ وہ اپنے اللہ کی یاد میں رہے۔

تزکیۂ نفس اس لئے کرتا ہے کہ اسے حق و باطل کا امتیاز حاصل ہو اور پھر حق و باطل کے فرق کو لوگوں تک پہنچائے کہ معاشرہ امن وسکون کی جگہ بنے نہ کہ فساد و ہنگامہ کا میدان کیونکہ فساد تو قتل سے بھی گھناؤنا فعل ہوتا ہے۔

# بیوی کے ساتھ میاں کا سلوک

**(بحوالہ سورۃ البقرہ ۲۳۲)**

۱۔ میاں اور بیوی کو ایک دوسرے کے ساتھ انتہائی محبت سے رہنا چاہیے۔ لیکن اگر بدمزگی پیدا ہو جائے تو مذکورہ آیت لاگو ہو جائے گی اور عورت کو پسند کی شادی کی اجازت دینا ہوگی۔ بے شک جائز انسانی فیصلوں میں طلاق کو ایک ناپسندیدہ عمل تسلیم گیا ہے۔

۲۔ (الف) حضور اکرمؐ نے بھی فرمایا کہ کسی مسلمان کے لئے (اس میں مسلمان عورتیں بھی شامل ہیں) واجب نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زائد عرصہ تک خفا رہے۔ کیا ہم بیویوں کو ایسے ماحول یعنی ناراضگی اور خفگی کی حالت میں اُن کے میکے نہیں چھوڑ آتے۔ (ب) کیا ہم اپنی بیوی کو جو اللہ تعالیٰ کی امانت اور اللہ تعالیٰ ہی کی گواہی میں ہمارے اوپر حلال کی گئی ہے ان سے ناراض ہو کر اللہ کی حکم عدولی نہیں کرتے؟ کیا اس عمل کے نتیجے میں ہماری پکڑ نہیں ہوگی۔؟ (ج) مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت (بیوی) جو اس نے مرد کے لئے اس واسطے پیدا کی کہ وہ اس سے سکون پکڑے حضور اکرمؐ کا آئندہ حضرت مریم (جو ان کی بیوی تھی) کے گھر سے شہد نہ پینے کا عہد والا قصہ۔ (سورۃ التحریم۔آیت۔6) یاد رہے جب اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ ''حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام مت کرو۔''

۳۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ ضابطے اللہ تعالیٰ نے باندھ رکھے ہیں۔ پھر سورۃ البقرہ ہی کی آیت ۲۲۹ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان ضابطوں کی خلاف ورزی مت کرو۔ یاد رہے یہ سارے اللہ کے ہمارے لئے اٹل حکم ہیں نہ کہ مشورے۔ لہٰذا ان کو نظر انداز کرنے کی کوئی گنجائش ہے ہی نہیں۔ کسی طرح کی بھی حجت ڈھونڈنا یا جواز پیش کرنا کہ چونکہ بیوی سے میری ناراضگی جائز ہے اس لئے اسے سزا دینا بھی جائز ہے، یہ سب خود کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔

# بیویوں سے انصاف کرنا

(سورۃ النساء آیت نمبر ۱۲۹)

جن لوگوں نے ایک سے زائد شادیاں رچائی ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ تم سب بیویوں سے برابری کا سلوک نہیں کر سکو گے۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۳۶ میں ذکر ہے کہ اگر چہ ایک مسلمان کو ایک نہیں بلکہ چار بیویاں نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے لیکن اگر تم کو ڈر ہو (جو یقیناً ہوتا ہے) کہ تم ان بیویوں کے ساتھ انصاف کے ساتھ نہ رہ سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کو رکھو یا پھر وہ لونڈی جو تمہاری ملکیت میں ہے اسی پر خوش رہو۔ مطلب یہ نکلا کہ بیوی کی حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ جو اس کا معاشرے میں مقام ہے جس کی بنا پر اس کا اپنے خاوند اور اس کی جائیداد وغیرہ پر حق بنتا ہے۔ موجودہ دور میں یہ سننے میں آتا ہے کہ لوگ تھوڑے وقت یا عرصے کے لئے عہد کر کے عورت سے جنسی رشتہ قرار دے لیتے ہیں۔ مشروط عہدِ نکاح جائز نہیں ہے تو وہ عہد نکاح کیسے جائز ہو سکتا ہے جس میں عورت کو چھوڑ دینے کا ارادہ ہو یا مستی نکالنے کا یاد رہے ایک اسلامی معاشرے میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں معاشرے کی بنیادی اور اہم اکائی میاں بیوی کے رشتے پر منحصر ہے۔ اس لئے مکمل دیانت داری اور خلوصِ نیت سے اس کی ابتدا کرنی چاہیے۔ اگر اس میں کوئی بھی شرط، خواہ ظاہر ہو یا خفیہ، سوائے ان شرائط کے جو اللہ تعالیٰ نے قائم کر رکھی ہیں شامل کی جائے گی تو نیت مشکوک ہو جائے گی۔ لہٰذا یہ ابتدائی بدنیتی خواہ مرد کیطرف سے ہو یا عورت کیطرف سے آئندہ کے لئے کبھی بھی اچھے نتائج نہیں دے گی ایک بیوی سے ہی سکون پایا جا سکتا ہے بہت ساری عورتوں سے نہیں۔ اس لئے اشارۃً حکم دیا گیا کہ اگر تم کو شک ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو بیوی ایک ہی رکھو۔ ایک شخص جو شادی شدہ ہے اسکی بیوی زندہ ہے تو اسے دوسری شادی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سوائے اس خواہش کے کہ وہ کسی دوسری عورت سے مرعوب ہو کر اسے بیوی بنانا چاہتا ہے۔ یہ مرعوبیت کئی ایک وجوہات کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ چونکہ ایک سے زائد بیویوں کے رکھنے کیصورت میں انصاف ممکن ہی نہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا حکم دیا ہے۔

٥

# اللہ کی راہ

انسانی معاشرے میں دو ہی خرچ ہونے والی اشیاء ہیں وقت اور پیسہ۔ انسانی عمل میں آپ جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان یا تو وقت خرچ کر رہا ہے یا پیسہ یا دونوں۔ چونکہ انسانی عمل ایک دین دار شخص سے ایسا ہو ہی نہیں سکتا جو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی حدوں سے باہر ہو مثلاً روزگار کا کمانا اور پھر اس پیسے کو اپنے اور اپنے اہلِ خاندان پر خرچ کرنا، صدقہ، خیرات، زکوٰۃ و حج۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیانہ طرزِ زندگی میں یا ان کے مسلک کے مطابق ایک مومن ہر وقت اللہ کی راہ میں ہوتا ہے اس کا ذکر اور فکر، فقراء کا استقبال اور ان کی روانگی، ان کا قیام و آرام اور لنگر یا پھر ان کی گفتگو کا موضوع اور گفتگو میں حوالے سب کے سب اللہ تعالیٰ اور اس کی کائنات کے متعلق ہوتے ہیں۔ کائنات میں انسان کا رویہ منفی ہو یا مثبت پھر اس رویے کو عین دین یا غیر اللہ ثابت کرنا وغیرہ سب کچھ اللہ کی راہوں میں شمار ہوتا ہے۔ اسی لئے تصوّف میں راہِ سلوک پر چلنے والے کو کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جی رہا ہے اور جب مرتا ہے تو بھی اللہ کی راہ ہی میں مارا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مومن کا ہر فعل یعنی گھریلو زندگی سے لے کر معاشی مسائل کے حل انتظامی معاملات بچوں کی تعلیم و روزگار صدقہ خیرات، رشتہ داروں سے ملنا، خرید و فروخت حتیٰ کہ اس کا سونا بھی اللہ کی راہ میں مانا گیا ہے (بحوالہ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۷۳۔۲۷۲)۔

اس دنیا کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص دنیاوی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اسے دنیا کا حصہ دیتے ہیں اور جو شخص اخروی نتیجہ چاہتا ہے ہم اسے آخرت کا نتیجہ دیتے ہیں۔ (آل عمران۔ آیت نمبر۔۱۴۵)

ایک رسول اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور امت کو پاکیزہ کرتا ہے۔ علم اور حکمت کی باتیں بتاتا ہے۔ ایک مرشد بھی اگر ایسا کرتا ہے تو خلیفہ اللہ ہے ورنہ عام روزگار کمانے والا شخص۔ لہٰذا ایک صوفی کو اپنا ہر عمل مذکورہ بالا آیتِ قرآنِ پاک کی روشنی میں دیکھ کر متعین کرنا ہوتا ہے۔ (سورۃ النساء آیت نمبر ۱۰۲۔۱۰۱)

# نفس کشی اور دنیاوی راحت وسکون

(آلِ عمران ۱۶۴)

صوفیائے اکرام نفس کشی پر یا تزکیہءِ نفس کی طرف اس لئے زیادہ زور دیتے ہیں کہ ایسا عمل انہیں اپنے رب کی بیان کردہ سچائی کے راستوں پر رکھتا ہے اور غیر اللہ سے دور ۔مثلاً یہ کہ رات کو راحت وآرام کے لئے بنایا گیا ہے (سورۃ نباء کی آیت نمبر ۹) ۔اب اگر ایک شخص دنیاوی آرام وراحت کے لئے نرم وآرام دہ بستر میں سویا رہے گا تو گویا اللہ تعالیٰ کے ان انعامات سے محروم رہے گا جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر فرمایا ہے کہ رات کے بڑے حصے میں عبادت کے لئے قیام کیا کرو اور رات کے آخری حصے میں استغفار۔ یہ فرمان حضرت انسان کی فلاح کی خاطر جاری کیا گیا۔ پھر آگے فرمایا کہ جو شخص بھی دنیاوی آرام سے دور رہا (سورۃ نازعات آیت نمبر ۳۸) اور نفس کو حرام چیزوں کی خواہش سے دور رکھا (سورۃ نازعات آیت نمبر ۴۰) تو وہ فلاح پانے والا ہوگا۔ ان سارے احکاماتِ الہیہ کی مکمل پاسداری میں ایک صوفی اپنی زندگی کو ڈھال لیتا ہے اور اپنے حلقہ میں بیٹھنے والوں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کرتا ہے کہ وہ اس رسول اکرمؐ کا اتباع کرتے ہوئے، جو وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں اپنے رب کے قریب ہو جائیں ۔کیا یہ سچ نہیں کہ تہجد کی نماز فرض نہیں ہے مگر فضیلت میں وہ فرض نمازوں سے بھی آگے ہے۔ یہ شب بیداری اور سحر خیزی ہی تو ایک صوفی کی متاعِ حیات اور عمل کا لباس ہے جس میں وہ ہر طرح کی راحت پاتا ہے۔ اور سکون سے جیتا ہے۔

## راہِ سلوک کا عرقِ عمل

کبھی آپ نے دیکھا کہ چٹکی بھر میٹھا سوڈا اتنے بڑے کڑاہ میں ڈالے ہوئے گڑ بنانے کیلئے گنے کے رس کو ابھار کر رکھ دیتا ہے اور اس کی میل اور کالک کو چن چن کر اکٹھا کرتا ہے اور اسے سفید بنا دیتا ہے۔ یا پھر اتنی بڑی دیگ جس میں کتنے کلو چاول پانی اور مصالحے ہوتے ہیں صرف دو قطرے روح کیوڑہ ڈالنے سے کتنی زیادہ مہک وخوشبو پھیل جاتی ہے۔ اگر ان دونوں اشیاء یعنی میٹھا سوڈا اور روح کیوڑہ کو صرف اس کڑاہ یا دیگ سے باندھ کر رکھ دیا جائے ان کے اندر استعمال نہ کیا جائے تو یقیناً مذکورہ نتائج نہیں نکلیں گے جو ان کو استعمال کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ یہی دنیاوی سچائی ہے کہ انسان کائنات بھر کی تخلیقات سے افضل واشرف تو ہے بشرطیکہ وہ اپنے اس شرف اور وصف کو سمجھتا ہے اور انہیں اپنے اندر سنبھال کر رکھتا بھی ہے تب وہ کائنات پر حاوی ہے اگر نہیں تو پھر جیسے دوسرے کیڑے مکوڑے مخلوق ہیں ایسا ہی انسان بھی۔ تو اے عزیز! آؤ ہم مل کر اپنے اس وصف کو تلاش کریں اور اپنی اصل شناخت پائیں نہ کہ دوسرے جاہل عقیدت مندوں کی طرح صرف ہاں میں ہاں ملا کر جہالت کی زندگی جئیں۔ آئیں خود سے سوال کریں کہ ہم نے یہ راہ سلوک پر چلنے کا انتخاب کیوں کیا تھا اور کیا وہ مقاصد حاصل ہو بھی رہے ہیں کہ دوسرے جاہلوں کی طرح ہم بھی بے کار لوگوں کے کسی ہجوم میں صرف شامل ہو گئے ہین جہاں سے منزل کا کوئی سرا پتہ نہیں مل رہا۔ یاد رکھیں جس طرح علم سوال سے پھیلتا ہے اسی طرح وہ کیوں سے تکمیل پاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں معلوم نہیں ہے تو اہل علم سے سوال کر کے پوچھو۔

"فسلو اهل الزكر ان كنتم لا تعلمون"
(سورۃ نحل آیت نمبر 43)

## درود شریف

ایک ایسا عمل جو اللہ العالمین خود کرنے کا اظہار کرتے ہوئے لوگوں کو حکم کرتا ہے کہ "اللہ اور اس کے فرشتے اس پر (حضرت محمدؐ پر) درود بھیجتے ہیں اور اے لوگو! اس پر

کثرت سے درود بھیجتے رہو''۔سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے۔؟ایسا اس لئے ہے کہ کسی کو یاد کرنا، اس چیز کا ثبوت ہے کہ آپ اسے ایک اچھا انسان مانتے ہیں یا پھر وہ آپ کے حصولِ مقصد میں معاون ثابت ہوسکتا ہے اور اگر وہ شخص آپ کو کثرت سے یاد کرتا ہے تو یہ اس شخص کی اس اہلیت اور اعلیٰ وصف کی دلیل ہے جو وہ آپ کے لئے رکھتا ہے کیونکہ اللہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ اس (محمد) پر کثرت سے درود بھیجتے رہو اس لئے کہ نظامِ قدرت کو احسن اور کامیاب عملی طریقے سے چلانے کی راہنمائی کے لئے جس ہستی کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے کیا وہ ذاتِ محمدؐ ہے اور اس کا مقام خاتم الانبیاء و خاتم المرسلین ہے۔ چونکہ اس ذاتِ مبارک نے دنیا میں اپنے آنے کے مقصد دین اسلام کی تعلیم دینے کو بطریقِ احسن پورا کیا اللہ تعالیٰ نے اس عظیم ہستی کے اس کامیاب عمل کے سلسلے میں قبولیت کے طور پر اسے اعلیٰ انعام سے نوازا اور خود درود بھیجتے ہوئے ہمیں بھی حکم دیا ہے کہ اس پر کثرت سے درود بھیجتے رہو اس لئے کہ نظامِ دنیا چلانے کے اصول کو حضورِ اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے معیار کے عین عین مطابق عمل کر کے اللہ تعالیٰ کے منشاء کو پورا کیا۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے محتاج تھے (نعوذ باللہ) مگر بات یہ ہے کہ ان کی عظمت ادائیگی فرائض کا اعلیٰ ترین اعتراف ہے جو اعلیٰ ترین پیمانے پر اللہ تعالیٰ کرتے ہیں لہذا میں اور آپ حضور اکرمؐ پر جتنا زیادہ درود بھیجیں گے وہ ہمارے قریب اتنے ہی اہم اور وہ ہمیں پیارے ہوں گے اور ہم اپنی زندگی کو ان کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق گزاریں گے جو کہ یقیناً ہمیں فلاح کی طرف لے جائے گا اور وہ فلاحِ دارین ہی ایک کلمہ گو کا مقصد حیات ہونا چاہیے۔

## صلوٰۃ

لفظ نماز عربی زبان کے لفظ صلواۃ کا ترجمہ ہے۔ مسلمانوں اور مومنو کیلئے ادائیگی نماز کا خاص حکم ہے ایک مسلمان کتنی ساری نمازیں پڑھتا ہے مثلاً نماز پنجگانہ۔ نماز شکرانہ۔ نماز استسقاء۔ نماز جمعہ۔ نماز اشراق۔ حاجات اور نماز جنازہ ودیگر۔

یہاں عام سا سوال پیدا ہوتا ہے کہ نماز کے معنی کیا ہیں مطلب نہیں پوچھا جارہا۔ عزیز آئیں دیکھتے ہیں کہ نماز کے معنی کیا ہیں۔ مذکورہ بالا اوقات، واقعات اور

حالات میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے یاد رہے یہ حکم اس کائنات کا خالق دے رہا ہے جو مالک کائنات بھی ہے۔ کہ جب ایسی کیفیت ہو تو کسی اور سمت دیکھنے کی بجائے حصول مقصد یا حالات کے نتیجہ میں پیش ہونے والی افسردگی، اذیت یا مایوسی و محرومی سے نجات پانے کیلئے اپنا رخ اس واحدہ ولا شریک کیطرف پھیرو تا کہ تمہیں مطلوب و مقصود حاصل ہو کیونکہ مذکوہ ساری کیفیات کا عمل پذیر ہونا صرف اسی ایک ذات پاک کے حکم سے ہوتا ہے لہذا بجائے کسی الجھاؤ کا شکار ہونے کے یا تذبذب میں گرفتار ہونے کے صرف اسی کا سوچو اور اسی سے کہو جو سننے والا اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ نماز کے معنی رجوع اللہ کے ہیں۔ کیونکہ انسانی زندگی کے مختلف عناصر کا وجود اسی ہستی کے قبضہ قدرت میں رہ کر نمود پاتا ہے یا عدم پذیر ہوتا ہے تو پھر کیوں نہ اسی قادر کل ہی کو کہا جائے کہ وہ ہمہ وقت ہر قسم کے عمل کو ہمارے حق میں کر دے۔ تو ثابت یہ ہوا کہ نماز پڑھنے کے معنی رجوع اللہ (اللہ کی طرف دیکھنا) کے ہیں۔ یعنی اللہ سے مانگنے کے عمل کو رجوع اللہ کہا جاتا ہے۔

نماز کا یہی مفہوم ذہن و قلب میں رکھتے ہوئے صوفیاء اکرام اور فقراء حضرات ہر وقت یاد اللہ میں رہنے کو ذکر اللہ اور شکر اللہ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں کئی اعتراض کرنے والوں کو یہ جواب بھی دیتے ہوئے ملتے ہیں کہ ہم تو ہر وقت حالت نماز میں رہتے ہیں۔ اس موقع پر یاد کریں منصور بن حلاج کا وہ واقعہ جب ان کے مریدین کو ان کی گودڑی میں دو بچھو دکھائی دیئے تھے اور انہوں نے منصور سے سوال کیا تھا کہ حضرت یہ دو عقرب آپکو کاٹتے نہیں تو منصور نے جواب دیا کہ انہیں رہنے دو کیونکہ جب یہ مجھے کاٹتے ہیں اور مجھے درد محسوس ہوتا ہے تو مجھے احساس ہو جاتا ہے کہ اس وقت میں حالت نماز میں نہیں ہوں۔

## نماز کیا ہے۔؟

حضور اکرمؐ نے نماز کھلے ہاتھوں پڑھی پھر اس کو بہتر کر دیا اور ہاتھ باندھ کر پڑھی اور پھر کبھی رفع یدین کرتے تھے اور پھر کہیں نہیں بھی کیا نماز کھڑے ہو کر پڑھی نماز بیٹھ کر بھی پڑھی دن کو پڑھی پھر رات کو بھی پڑھی رات کے پہلے پہر میں بھی پڑھی اور آخری حصے میں

بھی۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور کسی وقت اکیلے بھی پڑھی۔ نہا کر بھی پڑھی کبھی صرف وضو کر کے پڑھی۔ سفر میں بھی پڑھی اور حضر میں بھی پڑھی۔ گویا نماز پڑھی اور اس کا حکم ہمیں بھی فرمایا۔ تو ثابت ہوا کہ نماز جیسے اور جہاں بھی پڑھی اس میں ایک قدر مشترک تھی اور وہ یہ کہ خود کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا اس اللہ کے سامنے جو واحد ہے اور لاشریک ہے۔ لہٰذا نمازی خود کو عبد و بندہ جانتے ہوئے اور مخلوق خدا کو فانی جانتے ہوئے خود کو محتاج و مانگنے والا مانتے ہوئے اپنے رب کو معبود و خالق و حیی القیوم بے نیاز اور عطا کرنے والا جانتے ہوئے رب کے حضور پیش ہوتا ہے یہ عمل جتنی توجہ اور زیادہ وقت کے لئے ہوگا اتنا ہی رب کا قرب زیادہ نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق سجدہ (نماز) خدا کا قرب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ (سورۃ علق آیت نمبر ۱۹)۔

## علم کیا ہے۔؟

غیر معلوم کو جاننا انسانی فطرت کا حصہ ہے اور اس جاننے کا نام ہی علم ہے۔ حضرت موسیٰ خود کو بہت بڑا عالم جانتے ہوئے بھی علم حاصل کرنے حضرت خضر کے پاس پہنچ گئے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے انکو حکم دیا کہ جاؤ ہمارا ایک بندہ ہے جسے ہم نے بہت سا علم عطا کر رکھا ہے'' اور حضرت موسیٰ نے پھر دیکھا کہ حضرت خضر نے دیوار کو ہاتھ کے ایک اشارے سے سیدھا کر دیا۔ یہ کیا ہے؟ وہی اللہ کی ہستی کا مقام ہے سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے نیک کام کرے اور پھر اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرے (سورۃ کہف آیت نمبر ۱۱۰)۔ صوفی اللہ تعالیٰ کے فرمان اور ان چیزوں کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں ہر وقت مصروف رہتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے سورۃ رحمان میں اپنی رحمتوں اور عنایتوں کو گنواتے ہوئے اور پھر سورۃ واقعہ آیت نمبر ۷۴ میں ان ساری نوازشات کا ذکر نہیں کیا؟ کیا ایک میرے جیسے کم علم کے لئے یہ روشن اور واضح راہ نہیں کہ جس پر چل کر میں فلاح پانے والوں میں ہوسکوں؟ یہ علم اللہ ہی ہے جو کامیاب زندگی گزارنے اور سکونِ قلب کے حصول کا باعث بن سکتا ہے جبھی ایک صوفی خود کو راضی بہ رضا رکھ کر جیتا ہے اور خوش و خرم زندگی گزارتا ہے دنیاوی وسائل تو ایک ذریعہ ہیں آگے بڑھنے کا

اور شکر کا مقام حاصل کرنے کا۔ اگر یہ وسائل نہ ہوں تو بھی آگے بڑھنے کا عمل تو جاری رہے گا تب صبر کا سہارا لے کر کوششیں کی جائیں۔ یاد رہے کہ صبر و شکر کے درمیان والی کیفیت ہی ایک صوفی سے علم اللہ کا تقاضا کرتی ہے یہ دنیا کیا ہے۔ وہ خود اس دنیا میں کیا ہے اور کیوں ہے اور اسے کیسے زندہ رہنا چاہیے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ علم کسی خوشبو کیطرح فضا میں پھیل کر گم ہو جاتا ہے مگر مرتا نہیں۔ صدیوں پہلے بابلی تہذیب کے زیر اثر حاصل شدہ علم خواہ وہ طبی ہو۔ معاشرتی ہو۔ علم جراحی ہو۔ نجوم کا علم ہو یا دوسرے معاشرتی علوم کا ذخیرہ آج بھی محفوظ ملتا ہے اگر چہ وہ تہذیب و نسلیں مر کھپ گئی ہیں۔ اسی لئے ہر صوفی کو اپنے روحانی مشاہدات کو رقم کرنا چاہییں تا کہ راہ سلوک کا کلچر جمود کا شکار نہ ہوا اور آنیوالی نسلوں کی راہنمائی کرنے میں مددگار ثابت ہو۔ جسطرح آج ہم اپنے پہلے زمانے کے اصفیاء حضرات کی لکھی ہوئی کتابوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اسطرح ہمارے بعد میں آنے والے طالبان تصوف بھی مستفیض ہوں۔

## رزق اور اللہ پر توکل

زمانہ حج آنے پر لوگ حج کے لئے روانہ ہوتے تو بے سروسامانی کی حالت میں چل پڑتے کہ ہمارا رازق تو اللہ واحد ہے اس توکل پر کہ جو رزق ہمارے مقدر میں ہو گا اللہ ہمیں ضرور پہنچائے گا۔ اس روّیہءِ دین داری اور توکل کو اللہ نے ناپسند فرماتے ہوئے گرفت فرمائی اور اصلاحاً حکم دیا کہ ''سفرِ حج کے لئے زادِراہ ساتھ لے جاؤ'' اور سب سے بہتر زادِراہ پرہیزگاری ہے (بقرہ ۱۹۷)۔ شیخِ حق نے بھی یہی طرز اپنایا اور اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ محنت یا تجارت کچھ نہ کچھ ضرور کرو اور پھر اللہ پر توکل کرو۔ یہ کہہ دینا کہ اللہ رازق ہے کوئی نیا انکشاف نہیں۔ یا کسی صوفی کی دریافت نہیں ہے اللہ تو رازق ہے مگر اس نے اپنی دنیا چلانے کے لئے کچھ اصول اور ضابطے بھی بنا رکھے ہیں ان کی پابندی ہمارے لئے ضروری ہے اور وہ یہ کہ ہاتھ پاؤں ہلائے، برکت اللہ ڈالے گا۔ کیا آپ کو وہ تاریخی واقعہ یاد نہیں جب ایک صحابی حضور اکرمؐ کے پاس تشریف لائے اور ذکر کیا یا رسول اللہ میں بہت غریب و مفلس ہوں گھر میں فاقے ہیں دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہماری تنگی کو دور فرمائے۔ تو

حضور اکرم نے اسے یہ نہ کہا کہ آؤ میرے پاس بیٹھ جاؤ میں خاتم المرسلین ہوں دونوں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں اور صرف اللہ اللہ کرتے ہیں۔ بلکہ اسے اسی کی چند ایک اشیاء بیچ کر حاصل ہونے والے درہم دے کر ہدایت فرمائی جاؤ اس جنگل سے لکڑیاں کاٹو۔ بازار میں بیچو اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالو اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالے گا۔ یہ توکل اللہ نہیں ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے کو توکل کا نام دے دیا جائے۔ بے کُلاہ کے قریب بے عمل توکل محض سہل پرستی اور ہڈحرامی ہے۔ حقیقی توکل نہیں۔

## بہشتی دروازہ

نزول اسلام سے پہلے جب حج پر جانے والے لوگ حالتِ احرام میں اپنے گھر کے دروازہ کو استعمال کر کے اندر نہیں آتے تھے۔ بلکہ پچھلے دروازوں سے یا خصوصی طور پر بنائی گئی کھڑکیوں سے بمشکل داخل ہوتے تھے۔ پھر حج سے واپسی پر بھی ایسی رسم ہی کو ادا کرتے ہوئے گھر میں پچھلے راستوں سے داخل ہوتے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنے گھروں میں دروازہ ہی سے آیا کرو (سورۃ البقرہ 189) یہ کیا تھا۔؟ محض اس وقت کی معاشرتی رسم تھی جو وہ لوگ ادا کر کے ایک فخر محسوس کرتے تھے اور نہ ادا کرنے والوں کو برا اور بدشگون سمجھتے تھے۔ ان رسموں کو ختم کرنا ہی اسلام کا منشاء و مقصود ہے کہ لوگ محض رسموں پر نہ جئیں بلکہ ان کا جواز اور بنیاد ڈھونڈیں اور اگر وہ دین اسلام کے دیئے ہوئے اصول کے معیار پر اترتی ہیں تو تب انہیں ادا کیا جائے وگرنہ جہالت اور جہل کی نشانی جان کر انہیں ترک کر دیا جائے۔

لوگ بہشتی دروازے سے گذر کر آنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیا وہ بے خبر ہیں یا باخبر۔؟ خواجہ فرید گنج شکر نے تو اپنے عقیدت مندوں کو یہ کہا تھا کہ شریعت و طریقت اپناتے ہوئے جس دروازہءِ زندگی سے میں گذرا ہوں اگر تم لوگ بھی ایسی ہی زندگی گزارو اور اسی دروازے سے گذرو گے تو بہشتی بن جاؤ گے۔ مگر لوگ ہیں کہ سال بھر مخلوق خدا کی حق تلفیاں کرتے ہیں بے انصافیوں سے جیتے ہیں گناہ آلود زندگی گزارتے ہیں اور عرس شریف پر پاک پتن کے بہشتی دروازے میں سے گزر کر خود کو پاک سمجھنے کے تصور سے خود کو پیر و مرشد کی

واضح ہدایات سے کتنا دور لے گئے ہیں کہ محض ایسی رسم کی ادائیگی کو ہی عبادت سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ راہ حق پر ہیں۔ حالانکہ راہ حق تو خود پر مشقت کرنے اور نفس پرستی کے خلاف محنت کرنے سے نصیب ہوتی ہے۔ لوگوں کو اپنے عمل پر غور کرنا چاہیے کہ وہ ایسا کیوں کررہے ہیں مگر کیا کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر فرقہ کے قریب ان کا عمل بڑا ہی مزین اور پسندیدہ کر دیا ہوا ہے۔ (سورۃ انعام آیت ۱۰۸) لہذا وہ صرف اپنے کئے ہوئے عمل ہی کو صحیح سمجھ کر جیتے ہیں اور دوسرے نیک لوگوں کی طریقہ عبادت کو قبول نہیں کرتے اگر یہی لوگ اپنا احتساب کر کے اپنے عمل کا جائزہ لے کر فرمان اللہ (سورۃ انعام ۱۲۸) کی روشنی میں اپنے عمل کو پرکھیں تو یقیناً اپنی بخشش اور قربِ اللہ کی خاطر اپنی کوششوں میں تبدیلی لے آئیں گے۔

## پیر و مرشد کے اہلِ خانہ

یقیناً پیر و مرشد کے اہلِ خانہ مریدوں کے لئے قابلِ عزت واحترام ہوتے ہیں۔ مگر ان کی حدیں مقرر ہیں۔ مکہ کے اہلِ حرم خود کو اہم اور دوسرے لوگوں سے برتر سمجھتے تھے زمانہ حج میں وہ نبی اکرمؐ کے ساتھ عرفات تک جاتے وقت (مُزدلِفہ) تک جاتے تھے اور پھر واپس لوٹ آتے تھے۔ مقامِ عرفات تک نہیں جاتے تھے۔ جبکہ حکم یہ ہے کہ منیٰ سے عرفات تک جایا جائے اور منیٰ میں قیام کیا جائے۔ اہلِ قریش ہی کیا ان کے حلیف قبیلوں اور رشتہ داروں نے اپنے لئے شانِ امتیاز بنا کر خود کو دوسرے حاجیوں سے برتر سمجھ لیا اور اللہ کے اس حکم کو توڑا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا پھر جہاں سے دیگر سب لوگ پلٹتے ہیں وہیں سے تم بھی پلٹو اور اللہ سے معافی مانگو یقیناً وہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (بقرہ ۱۹۹)۔

آج پیر صاحب کے صاحبزادگان تو کجا اس کے سارے رشتہ دار خود کو مریدوں کے سامنے ایک مقدس ومحترم حیثیت سے پیش ہو کر ان سے امتیازی سلوک ہی نہیں بلکہ شاندار حسن سلوک کے طلبگار ہوتے ہیں۔ جو تصوف وفقر کے کسی بھی پہلو سے جائز اور مناسب نہیں لگتا۔ معاشرتی ادب اپنی جگہ ہے۔ لیکن روحانی حلقہ میں ہم داخل ہوتے ہیں تو وہاں کے ضابطے ہم پر لاگو ہو جاتے ہیں وہاں پر احتیاط لازمی ہے تھوڑا سا بے احتیاطی کا

روّیہ ہماری زندگی پر بہت ہی گہرے اثر چھوڑتا ہے۔ پیر صاحب کے اہل خانہ اور مریدین دونوں کو اپنے رویوں کا جائزہ لینا چاہیے۔ کیونکہ موجودہ رویے سے خانقاہی نظام میں شخصیت پرستی مضبوط ہوتی جارہی ہے اور روحانی تعلیم و عمل رسموں کے نیچے دبتا جارہا ہے۔

# تبرکات کی اصل

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے چھوڑے ہوئے تبرکات جب فلسطینی مشرکین نے بنی اسرائیل سے چھین لئے تو وہ بستی جہاں مشرکین نے یہ تبرکات رکھے تھے وہاں وبائیں پھوٹ پڑیں۔ انہوں نے اسے بیل گاڑی میں لاد کر بغیر گاڑی بان کے ہانک دیا اس وقت یہ تبرکات اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی حفاظت میں دے دیئے (سورۃ بقرہ ۲۴۸)۔ جو اس گاڑی کو ہانک کر بنی اسرائیل کے پاس لے آئے۔ اس صندوق میں کیا تبرکات تھے اس میں اختلاف ہے۔ مگر حضرت موسیٰؑ کا عصاء عظیم پتھر کی تختیاں "Ten Commandments" جو کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو عطا فرمائیں اور ان کا عمامہ وغیرہ تھے جن پر کوئی اختلاف نہیں۔ ان سب چیزوں کو اپنے پاس پا کر بنی اسرائیل کا خوش ہونا فطری بات تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس صندوق میں تمہارے لئے تسکین کا سامان ہے اگر تم ماننے والے ہو تب۔ ان تبرّکات میں کیا تسکین تھی اور کیوں تھی۔ اللہ کے اس فرمان سے تبرکات کا قابلِ تقدیس ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چونکہ تبرکات ان پیغام رساؤں کے ہوتے ہیں جو خدائے واحد کا پیغام مخلوق خدا کو پہنچاتے اور تبلیغِ دینِ حق کرتے ہیں۔ یہ تبرّکات ان لوگوں کی ذات سے نسبت رکھنے کی وجہ سے مقدس بن جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے تمہارے لئے کپڑا بنایا جس سے نہ صرف تم اپنی ستر پوشی کرتے ہو بلکہ تمہاری زیب و زینت کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اگر کپڑا اللہ نے بنایا ہے تو سب چیزیں جو بھی تبرک کی صورت میں ہونگی سب کی سب اس کی پیدا کی ہوئی ہیں لہٰذا اس نیک فرد کے نیک اور صحیح عمل کی گواہ ہوتی ہیں۔ جو دیکھنے والوں کو نیکی کی دعوت دیتے ہیں اس لئے تبرکات قابلِ احترام ٹھہرے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض صرف ان کی ذات سے

نسبت رکھنے کیوجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بصارت واپس لائی تھی ورنہ وہ قمیض مصری لوگوں کے لباس سے کچھ مختلف قمیض نہ تھی۔

## نامعلوم

سامری جادوگر (جو کہ حضرت موسیٰؑ کے لشکر کے ساتھ دریائے نیل پار کر رہا تھا) نے حضرت جبرائیلؑ کو دیکھا کہ اپنی سواری پر سوار ہیں حضرت موسیٰؑ کے کسی اور امتی کو حضرت جبرائیلؑ نظر نہ آئے۔ معلوم نہیں پڑتا کہ حضرت جبرائیلؑ کا سامری کو نظر آنا کس وجہ سے تھا۔ کیونکہ سامری جادوگر تھا اور پھر حضرت جبرائیلؑ کو دیکھ لینے کے بعد بھی سامری کا رویہ کسی دین دار شخص کا رویہ نہ تھا اس لئے کہ حضرت موسیٰؑ کے کوہِ طور پر چلے جانے کے بعد اسی سامری نے قبطی قوم کے سارے سونے کے زیورات جمع کر کے انہیں پگلا کر ایک بچھڑا بنا دیا جس سے عجیب قسم کی آواز آتی تھی یہ آواز پہلے کبھی نہ کسی نے سنی تھی اور نہ آواز کے بارے میں کچھ معلومات تھیں اس لئے بنی اسرائیل نے سامری کے کہنے پر اسے یعنی بچھڑے کو ہی حضرت موسیٰؑ کا رب مان لیا اور پرستش شروع کر دی۔ یقیناً سامری کا سارا عمل شرک پر مبنی تھا اور نہ ہی اس کا کردار بنی اسرائیل کے لئے منافع کا سبب تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ سامری کو ہی حضرت جبرائیلؑ کیوں نظر آئے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو بنی اسرائیل کو سمجھانا مقصود تھا یا سامری کی اصلیت ظاہر کرنا۔؟ یہ اس لیئے اچنبھے کی بات ہے کہ حضرت جبرائیلؑ کو حضور اکرمؐ نے بھی اپنی ساری عمر میں صرف دو دفعہ دیکھا۔ بقیہ تاریخِ انسانیت میں کہیں ایسا ذکر نہیں ملتا کہ حضرت جبرائیلؑ کسی کو نظر آئے ہوں اور آئندہ کے لئے تو بالکل ہی کوئی امکان نہیں ہے۔ جیسا کہ حضور اکرمؐ نے اپنی امت کو سمجھایا ہے کیونکہ نبوت ختم ہوگئی لہٰذا وحی کا عمل (جس کے ذریعے حضرت جبرائیلؑ پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تھے) بھی ختم ہو گیا۔ بظاہر تعلیماتِ رسولؐ اور ختم نبوت کے معیار پر یہی ماننا پڑتا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ کسی کو اس دنیا میں نظر نہیں آتے۔ سامری نے اپنی آنکھوں سے اللہ کی مدد سے فرعون کو بمعہ لشکر ڈوبتے دیکھا۔ دیگر مقامات پر حضرت موسیٰؑ کی

کرامات و دیگر معجزات دیکھے۔ جبرائیل کو دیکھا اور اس کے پاؤں کے نیچے سے اٹھائی گئی مٹی کا اثر دیکھا ان کی قدرت سے سونے کے زیورات سے بچھڑا پیدا ہوتے دیکھا۔ حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کا ملنا دیکھا۔ حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے سنا مگر اسے ہدایت نصیب نہ ہوئی کیونکہ اس نے ہدایت اللہ تعالیٰ سے مانگی ہی نہ تھی۔ وہ تو بنی اسرائیل پر ہونے والے معاملات میں بھی اللہ کے انعامات یا آنے والی پریشانیوں ہی کو دیکھتا رہا اور تبصرہ کرتا رہا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگتا تو یقیناً اسے ہدایت نصیب ہو جاتی۔ تو ثابت یہ ہوا کہ ہدایت یافتہ ہونے کے لئے اللہ کے ہاں سے ہدایت کا طلب گار ہونا بنیادی شرط ہے۔ آؤ یہ تسلیم کریں اور اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اس ہدایت سے نوازے جو ہمیں فلاح اور قرب اللہ کیطرف لے جانے کا وسیلہ بن جائے۔ (آمین)۔

## تخلیقِ آدم کا واقعہ (سورۃ طٰہٰ ۱۱۵ تا ۱۲۴)

اگر چہ حضرت محمد مصطفیٰ حضرت آدم کی نسل میں سے ہیں مگر ان کی وہ حدیث یاد رہے کہ ''میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے'' اور پھر رسول مقبولؐ کی شان و آن کا یہ عالم کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مسلمانوں کو یہ کہا کہ ان پر درود اور سلام بھیجو بلکہ اللہ تعالیٰ خود اور فرشتے بھی ان پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہے کہ جو فرض سونپ کر حضور اکرمؐ کو اس دنیا میں بھیجا گیا جو ہدایات و احکامات انہیں بھجوائے گئے۔ ان کو حضور پرنُور نے اس انداز سے پورا کر دکھایا کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف ان سے خوش ہوے بلکہ صلہ یہ کہہ کر دیا ہم نے تمہارا ذکر بلند کر دیا جبکہ " حضرت آدم کے بارے یہ فرمایا کہ " آدم اپنے عزم میں پختگی نہ دکھا سکے۔ " اس کا مطلب یہ ہرگز نہ سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت آدمؑ نعوذ باللہ کوئی غیر اہم یا ناکام نبی تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں وہ بھی کہیں کسی سے کم یا پیچھے نہیں تھے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ جونہی ان سے اللہ تعالیٰ سے کیئے ہوئے عہد کی نافرمانی ہوگئی تو سب سے پہلے الفاظ جو انہوں نے ادا فرمائے یا جو پہلا کام کیا وہ یہ کہ اپنے رب کی طرف رجوع کیا، اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور درخواست کی کہ اے میرے رب ہم نے اپنے ساتھ خود ظلم کیا اور گنہگار ہو بیٹھے اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا تو ہم سے بڑا

خسارے والا کوئی نہ ہوگا یعنی اپنے کیے پر تائب ہوئے اور اللہ سے معافی مانگی جو اللہ تعالیٰ نے قبول کرتے ہوئے انہیں معاف بھی کر دیا۔

اے عزیز! جان کہ حضرت آدمؑ اور حضرت بی بی حواؑ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابلیس سے محتاط رہنا کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے وہ تم کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے (یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو اشارہ تھا) دوسرا یہ کہ جنت میں تمہیں نہ بھوک، پیاس اور دھوپ ستائے گی اور یہ کہ نہ کبھی تم بے لباس ہو گے۔ (دنیا کی ساری نعمتوں کا حصول ان ہی چار چیزوں کے گرد گھومتا ہے جو انسان کو طرح طرح کی مصیبتوں میں الجھائے رکھتا ہے)۔ اس پر بھی اللہ تعالیٰ نے متنبہ کر دیا تھا کہ جنت سے نکلنے کے بعد پھر تم کسی اور مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں ایک درخت کے قریب جانے سے اور اس کا میوہ کھانے سے منع فرمایا۔ پھر وہی ہوا شیطان نے ان کو ورغلایا کہ جس درخت کا میوہ کھانے سے اللہ تعالیٰ نے آپ دونوں کو منع فرمایا ہے اس کو چکھ لو تو تم لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہو گے۔ ان دونوں نے شیطان کے بہکاوے میں آ کر اس درخت کا میوہ کھایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ستر کھول کر ان پر عیاں کر دیے۔ پھر شرمساری سے ان دونوں نے اپنے ستر کو چھپانے کے لئے درخت کے پتوں کا سہارا لیا۔ بعد ازاں جب حضرت آدم علیہ السلام اور حوا نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور فرمایا کہ میں تم کو پھر زمین میں وقتاً فوقتاً ہدایت بھجواتا رہوں گا۔ تم اور تمہاری اولاد میں سے جو لوگ میری ہدایات پر عمل پیرا رہیں گے وہ لوگ دنیا میں بھی کامیاب ہوں گے اور آخرت میں بھی وہ لوگ کامیاب ہوں گے۔

اے میرے عزیز! ان سارے حالات کا جائزہ لے کر یہ بات سامنے آتی ہے کہ تخلیقِ حضرت آدمؑ مندرجہ ذیل نکتوں کی مظہر ہے جو آج کے انسانوں میں بھی صفتیں پائی جاتی ہیں۔

- اللہ تعالیٰ کے احکامات کو مکمل طور پر سمجھ نہ پائے۔ (اللہ تعالیٰ کا لامحدود علم رکھنا)
- فطرتاً کسی دوسرے کی بات کو سچ مان لینا۔ (کم علمی کا اعتراف)
- خود کو موجودہ و میسر حالات میں مطمئن نہ پانا۔ (مزید پانے کی خواہش رکھنا)

- بے یقینی کی کیفیت کا شکار ہونا۔ ( بے ہمت ہونا )
- مستقبل کے بارے میں فکر مند ہونا۔ ( خواہش اور امید رکھنا )
- سب سے بڑھ کر اپنے ارادے کا استعمال کرنا۔ ( نفس پرستی )

چونکہ اللہ تعالیٰ آدمؑ کو سب خدشات اور ہونے والے واقعات سے اشارۃً آگاہ کر چکے تھے اس کے باوجود آدمؑ بھول کا شکار ہو گئے۔ جبکہ حضورؐ کو صرف وحی کے ذریعے احکامات ملتے تھے اس کے باوجود انہوں نے ان احکاماتِ الٰہی کی تعمیل بطریقِ احسن کی اور اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کیا کہ آدمؑ کے عزم میں کوئی پختگی دیکھنے میں نہ آئی جبکہ اے رسولؐ تم نے حق نبوت ادا کر دیا ( سورۃ طٰہٰ ۱۱۴ )۔

## علم۔

( بحوالہ سورۃ توبہ آیت۔ ۱۲۲ ) علم دین سیکھنا مندرجہ ذیل طریقوں سے ہے۔ قرآن پڑھنے سے حضور کی محفلوں میں بیٹھ کر اور دوسرے لوگوں سے سن کر۔

اے عزیز جان! ہماری ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ بننے والی شے ہمارا علم ہے اور ہماری جہالت میں اضافہ کرنیوالی شے بھی علم کی کمی ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ علم کوئی غیر ضروری اور بے اثر شے ہے۔ ایسا اس لئے تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ خود خاتم المرسلین کو فرماتے ہیں کہ آپ یہ دعا کیجیے کہ ''اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر۔ ( سورۃ طٰہٰ ۱۱۴ ) بے شک یہ علم صرف کالج اور یونیورسٹی کا علم نہیں ہے۔ لہٰذا دنیا میں اس مقصد کو سامنے رکھ کر زندگی کی کامیابی کی ضمانت صرف علم سے ہے جو مقصد حضرت انسان کو دے کر اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ کہنا یہ مقصود ہے کہ علم جسقدر بھی زیادہ حاصل ہو جائے کم ہی رہے گا کیونکہ یہ علم کائنات اور عالمین کے خالق نے پیدا کیا ہوا ہے جس کے علم کی حدیں جاننا تو درکنار اسکا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تخلیق آدم کے وقت جب فرشتوں سے کچھ چیزوں کے نام پوچھے گئے تو انہوں نے نہایت احترام سے جواب دیا کہ اے ہمارے رب ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جو آپ نے ہمیں دیا ہے۔ ان چیز کے اسماء سے ہم ہرگز ہرگز واقف نہیں۔ پھر جب آدم علیہ سلام سے ان اشیاء کے نام پوچھے تو فر فر سب امور ملائکہ کو بتا

دیے تو وہ دنگ رہ گئے ۔حضرت آدم نے اسماء حسنہ کے مفہوم بتائے تھے۔اس سے عبادت پر علم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔عبادت چونکہ خواصہ مخلوق ہے لہذا ایک بندے کا عبادت سے انکار ہر چیز سے گویا انکار ہے جو بندے کیلئے تباہی کا سامان ہے۔کیونکہ علم خدائی صفت ہے اور وہ بھی اعلیٰ ترین ہر چیز جو پیدا ہو چکی اور جو ابھی پیدا ہونا باقی ہے جو نظر آ رہی ہے اور جو نظروں سے اوجھل ہے ان سب پر اللہ قادر مطلق ہے وہ افضل ترین حکمرانوں کا بھی حکمران ہے لہذا صرف اسی کی عبادت کی جانی چاہیے۔اسی طرح خلیفۃ اللہ کہلوانے کا حق دار صرف وہی ہے جس میں اپنے مالک کا سا کمال ہے یعنی علم رکھتا ہے۔

آج نہ ہم میں علم ہے نہ عبادت ہم صرف قصے کہانیوں پر گذارہ کر رہے ہیں جو یقیناً نہ علم کا اور نہ عبادت کا نعم البدل ہو سکتے ہیں۔ہم صرف تخلیق آدم کا قصہ بیان کر کر کے اپنا مطلب واضع کرتے رہتے ہیں کہ انسان بہت عظیم ہے۔وہ فرشتوں سے بھی بہتر ہے مگر یہ گتھی نہیں سلجھاتے کہ وہ کسطرح عظمت پاتا ہے اور کسطرح مسجودِ ملائکہ بنا۔شاید ہم جیسے بے علموں اور خواہشوں پر چلنے والے لوگوں ہی کیلئے اللہ نے فرمایا ہے کہ بعض بے خبر لوگ کچھ بھی دلیل نہیں رکھتے اپنی عبادت کے لئے سوائے اپنے دلوں میں آرزوؤں کے پالنے کے (سورۃ البقرہ آیت نمبر۔۷۸)

پیر کے ان مریدوں اور گروُ کے چیلوں کے بارے معلوم نہیں کیا کہا جائے جو اپنے والدین کے بھی نافرمان ہو کر اپنے بہن بھائیوں سے بھی ناخوش اور ناراض رہتے ہیں اور پردیسیوں محتاجوں کا بھی کچھ خیال نہیں رکھتے مگر شیخ اور اس کے اہل خانہ کی خدمت کو ہی ایک فرض جان کر ادا کر رہے ہیں۔

ظاہری علم کسی کو بھی مقصود ذات حاصل نہیں ہونے دیتا جب تک جتنا سا بھی علم حاصل کیا ہو اس میں حق شناسی کا عمل شامل نہ ہو۔یہ حق شناسی کی کوشش اور امید و یقین کے اشتراک کا ہی معجزہ ہے جس سے انسان کو اللہ کی معرفت وحقیقت کی آگہی حاصل ہوتی ہے اور کائنات میں اسے اپنی حیثیت کی پہچان ملتی ہے اور یہ کوئی پوشیدہ راز نہیں کہ انسان کو اگر اپنی حیثیت کی پہچان کی آگاہی ہو جائے تو وہ خود بخود اللہ تعالیٰ کی پہچان کر لیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے (سورۃ حشر آیت 19) کہ تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا

جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے کیونکہ جب وہ لوگ اپنے اللہ تعالیٰ کو بھول بیٹھے تو اللہ تعالیٰ بھی ان بھولنے والے بندوں سے بے تعلق ہو کر انہیں بھول گیا۔ (استغفرُ اللہ)

عزیز! اللہ نہ کرے کہ کسی کی یہ حالت ہو جائے کہ اس کا رب اسے بھول جائے۔ یہی وہ حالت اور عالم ہے جسے اللہ کا غضب نازل ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ صوفی کی خوش بختی ہے کہ وہ ذکر اللہ میں رہتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے (صوفی) کو اپنے ذکر میں شامل رکھتا ہے۔ کیا یہ جاننے کے بعد اب ہم پر لازم نہیں ہو گیا کہ ہم اپنے رب کے ذکر میں مشغول ہو کر اپنے شب و روز گذاریں بجائے دنیاوی لذتوں کے پیچھے بھاگنے کے۔ اور ظاہری نمود و عائش کے۔

اسی طرح علم کی کمی انسان کو اس کی اصلیت سے بے خبر رکھتی ہے۔ فقر اختیار کرنے کے لئے اسے خود کو علم سے آراستہ کرنا لازم ہے ورنہ وہ جاہلیت کی طرز اپنا کر زندگی کا عرصہ گزار دے گا اور اپنی شناخت سے اور خالق کی عظمت سے بے بہرہ ہی رہے گا اور ہدایت کے بغیر ہی مر جائے گا۔ اس طرح اے عزیز! ہمیں ہر لمحہ یہ احساس ہونا چاہیے کہ ہمارا ہر عمل اپنی نیت قوتِ اور سمت اس علم سے حاصل کرے جو آدمؑ کی تخلیق کے وقت خالق نے ہمیں ودیعت فرمایا تھا۔ ہمارے علم کی بنیاد لا الہ الا اللہ پر رکھی گئی ہے۔ جو علم لا الہ سے شروع ہو کر الا اللہ پر ختم ہو گا وہی علم ہمارا مقصود و مطلوب ہے بقیہ سب کچھ وہم و گمان اور خود فریبی ہے جس کی شکلیں بھی مختلف ہو سکتی ہیں اور اصطلاحیں بھی یاد رہے کہ وہ علم انسان کے اپنے اس عہد کا ہے جو انسانوں نے اپنے رب سے کر رکھا ہے کہ تُو یقیناً ہم سب کا سچا اور حقیقی رب ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اپنے عہد کو یاد رکھنا کہیں قیامت والے دن یہ نہ کہنا کہ ہم بھول گئے تھے۔ (اعراف ۱۷۲)

علم کو قرآن کے پڑھنے سے حاصل کیا جانا چاہیے۔ یا

صالحین کی صحبتوں میں بیٹھ کر۔ یا

صالحین و راست فکر لوگوں سے سن کر اور مل کر۔ ایسے ہی نظریہ کی پیروی میں صالحین کی مجلس میں بیٹھنے کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

# جنت سے انخلا اور پھر داخلہ

ایک مومن اور صوفی کا شوق اس وقت دیدنی ہوتا ہے جب اس کے دل ونگاہ حق طلب اور حقیقت شناس ہوکر امید و یقین کی نظر سے وہ منظر دیکھتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کواُن کی غلطی معاف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں بی بی حوا کے

ساتھ جنت سے زمین پر اتارااور دونوں سے فرمایا کہ تم کوایک معینہ مدت تک زمین پر رہنا ہے جہاں فضا ایسی ہے کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ مطلب یہ کہ دنیا کی رنگینی اس قدر پُرکشش ہوگی اور دلفریب نظر آئے گی کہ تم اس میں کھوکر انتہائی خودغرضی اور خود پسندی کا شکار ہو جاؤ گے تمہیں میری طرف سے اپنی زندگی گزارنے کیلئے ہدایات ملتی رہیں گی تم اور تمہاری اولادوں میں سے جو میری ہدایات واحکامات کو مانتے ہوئے اس پرعمل کریں گے تو انہیں زمین پر رہنے کی مدت کی تکمیل پر روزِ محشر اچھے صلے سے نوازوں گا اور وہ یہ کہ نیک انسان ہمیشہ ہمیشہ بےفکری اور سکون وراحت کی زندگی پائیں گے۔ جہاں انہیں پھر سے میرا قرب ویسا ہی نصیب ہوگا جب میں نے ان سے عہد لیا تھا کہ بتاؤ میں تمہارا رب ہوں تو سب نے یک زبان ہوکر اعتراف اور قبول کیا کہ ہم گواہ ہیں کہ تو ہمارا رب ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمیں ہمارا وہ عہد یاد ہے اور اگر یاد ہے تو یقیناً ہم ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہیں جن کو کہا جارہا ہے کہ اے مطمئن روح اب اپنے رب کی طرف لوٹ آ کیونکہ میں تم سے خوش ہوا ہوں کہ تم نے اپنا عہد نبھایا اور تو خوش ہو کہ تم نے فلاح پائی۔ جاؤ فلاح پانے والے میرے پیارے بندوں میں شامل ہوکر جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو۔

اے عزیز۔! دیکھنا یہ ہے کہ ہم تو سکون کی تلاش میں ہیں۔ جو اس دنیا میں بھی ذکراللہ سے ہی نصیب ہوتا ہے اور ہمیشہ کی زندگی میں بھی اس کے کرم ہی سے نصیب ہوگا۔ تو سوال یہ ہے کہ ہمارے بس میں کیا ہے۔ صرف یادِ اللہ میں جینا، باقی کام تو اللہ خود کر رہا ہے۔ ظاہر کی آنکھ سے بھی دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ساری جسمانی ضرورتوں کا

بندوبست اوران کا حصول ودستیابی تو اس نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے مثلاً ہمارا جینا مرنا اولاد ،عزت، بیماری سے شفاء یا دوسروں سے افضل ہونا یا رزق وغیرہ وغیرہ سب کچھ اس کی مرضی اور حکم سے ملتے ہیں جب ایک سالک کو اسکا یقین کامل ہو جاتا ہے تو وہ ایمان کے اعلیٰ درجے پر فائز ہو کر اسی دنیا میں جہاں قدم قدم پر ایک سے ایک بڑی پریشانی ملتی ہے وہ بڑے ہی سکون واطمینان سے جی رہا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ چاروں عناصر یعنی پانی، مٹی، آگ اور ہوا کے مجموعے کے منفی اثرات سے تو اس نے جان چھڑا رکھی ہے۔ پیچھے رہ گئی روح اور وہ حکم ربی ہے اور اللہ یقیناً انسان پر رحم وکرم ہی کرتا ہے اور جب ایسا ہے اور سب حق ہے تو یہی یقین کی کیفیت ہے جسے صوفی پانے کے یئے اپنی زندگی کی ساری خواہشیں ترک کر کے جیتا ہے آئیں عہد کریں اور عمل شروع کریں کہ آج سے ہم صرف اور صرف حکمِ ربی کے عین مطابق جئیں گے یعنی راضی بہ رضا ہو کر جو کہ بڑی ہی اطمینان بخش اور سکون کی کیفیت ہوتی ہے اور ہمارے اللہ ہی کی طرف سے اور اس کے حکم سے ملتی ہے۔

## غیر اللہ کے ذریعے اللہ کا تقرب مانگنا۔

**(بحوالہ سورۃ احقاف ۲۸)**

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ قومیں جو اپنے کفر اور شرک وتکبر کی وجہ سے نیست ونابود کر دی گئیں انہیں ہم نے ان ناپسندیدہ باتوں میں قدرت دے رکھی تھی۔ مگر اے رسول اس انکار الٰہی کی قوت ہم نے آپ کو نہیں دی اور ان قوموں کو باوجود اس کے کہ انہیں دیکھنے کو آنکھ، سننے کو کان اور سمجھنے کے لئے دل دیئے گئے مگر چونکہ وہ آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے تھے اس لئے نہ ان کے کان نہ آنکھ اور نہ دل ہی کام آئے کیونکہ خدا کے سوا جن جن چیزوں کو انہوں نے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے اپنا معبود بنا رکھا تھا وہ سب کچھ چونکہ جھوٹ تھا، باطل تھا، اس لئے وہ حق تعالیٰ کے سامنے سب زمین بوس ہو گئے۔ کہنا مقصود یہ ہے کہ غیر اللہ کو ایک مرید اگر تو فقط ذریعہ سمجھ کر اپنے شیخ کی وساطت سے راہِ ہدایت مانگتا ہے یا راہِ مستقیم چاہتا ہے تو یہ ادب میں شمار ہوگا اور دینِ اسلام وحق میں صحیح

کوشش کی جائے گی لیکن اگر وہ اس وسیلہ ہی کو سب کچھ جان کر ایسا کرتا ہے تو بے سود ہوگا۔
بے شک ایسا مرید اپنے عمل کے لئے لاکھ دلیلیں بتائے مگر ہوگا وہ غلط۔

یہی ایک نکتہ ہے جسے ایک پیر کامل اپنے مریدوں کو سمجھا تا ہے اور اس پر عمل بھی کرواتا ہے۔ تب ہی تو کہا جاتا ہے کہ مرشد تو ہر لمحہ اپنی خود احتسابی کے عمل سے گذر رہا ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مریدوں کی خدمت دیکھ کر یا ان کی محبت و ادب دیکھ کر نفس کی گرفت میں آ جائے اور ان کا مولا بن بیٹھے اور خود فریبی کا شکار ہو جائے۔

## غیب پر ایمان لانا

اے عزیز! تجھے معلوم ہے کہ ترتیب و جمع قرآن میں یعنی سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات ہی میں اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کے اوصاف گنوا دیے ہیں جن کے لئے اس نے یہ ہدایت نامہ، یعنی قرآن پاک نازل کیا ہے اور ان اوصاف میں سے جو پہلا وصف ہے وہ ہے غیب پر ایمان لانا۔ پھر بعد میں نماز کا قائم کرنا پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور پھر اس پر ایمان لانا جو ان پر اتارا گیا ہے یعنی قرآن پاک اور ان سے پہلے والی امتوں پر اتاری جانے والی کتابیں اور صحیفے۔

عام مفہوم میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالٰی کی ذات کسی کو نظر نہیں آتی ہے اور وہ انسانی نظروں سے غائب ہے اس لئے ایمان لانے کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالٰی کے غیب ہونے پر ایمان لایا جائے۔ غیب پر ایمان لانے کا صرف یہی مفہوم نہیں ہے بلکہ یہ ان غیب اور مخفی اشیاء اور عوامل پر ایمان لانا بھی ہے جو موجود تو ہیں مگر نظر نہیں آتی ہیں۔ مثلاً خون کے قطرے سے پیدا ہونے والے بچے میں کب اور کیسے روح داخل کی جاتی ہے یا پھر انسان کی موت کے وقت وہی روح کیسے واپس لے لی جاتی ہے۔ دن اور رات کا پیدا ہونا قدرتی اصول ضرور سہی مگر وہ ہاتھ وہ طاقت اور وہ دماغ کہاں ہے جو یہ سب کچھ اور ایسی منظم صورت میں سورج چاند تاروں کا عمل ہمارے سامنے پیش کر رہا ہے کہ آج تک نظام قمری یا نظام شمسی میں کہیں گڑبڑ دیکھنے سننے میں نہیں آئی۔ وہ ہاتھ کہاں ہیں جو رتی بھر وزن

کے بیج سے اتنا بڑا درخت پیدا کر دیتے ہیں اور پھر زمین کے اندھیروں میں اسے کیسے خوراک و روشنی دیتے ہیں۔ پھر اگنے والے پودوں میں اس ترتیب و میزان سے پھولوں میں رنگ یا پھلوں میں رس کون بھرتا ہے۔ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بادل فضا میں تیرتو رہے ہیں مگر کس کے اشارے پر اور ان سے بارش کیسے برستی ہے۔ ہم افسردگی اور خوشی کے عالم کا اثر لیتے ہیں وہ کون ہے جو ہمیں خوشی کی کیفیت میں لے جاتا ہے اور پھر افسردگی میں لوٹا دیتا ہے۔ ہمارا کھانا جو مختلف اجزا سے بنتا ہے ان کی لذت تو الگ الگ ہوتی ہے ان سب کو ایک لذیز کھانا یا مشروب کون بنا دیتا ہے۔ جبکہ کھانا تو آگ پر بنتا ہے اور آگ میں تو وہ لذت نہیں ہوتی اور پھر یہ کہ ایک ہی معیار کے مصالحے اور اشیاء جب مختلف جگہوں پر باورچیوں سے پکوائے جاتے ہیں تو ان کے ذائقے کیوں الگ الگ ہوتے ہیں۔ سمندر کے اندر پودے جھوم رہے ہوتے ہیں، کیسے؟ کیا وہاں ہوا چل رہی ہوتی ہے؟ آخر ایسا کیوں ہے اور کیسے ہوتا ہے؟ اس طرح کی بے شمار کیفیات وغیرہ کا ذکر کیا جا سکتا ہے جہاں غیبی قوت تو ہمیں نظر نہیں آتی مگر اس کا کام یا کام کے نتیجے میں پیدا ہونے والی انتہا ہم دیکھ لیتے ہیں۔ اصل میں یہی وہ غیب پر ایمان لانا ہے۔ جو انسان کے سامنے مادی شکل میں ظاہر ہوتا ہے یہ ظاہر ہی ہم کو فکر دیتا ہے اور ہم میں ایک سوچ پیدا کرتا ہے اور نتیجے کے طور پر اس واحد اور مطلق غیبی طاقت کی نشاندہی کرتا ہے جس کا انسان پر شکر واجب ہوا ہے۔ چونکہ زندگی کے اکثر عوامل و عمل سب ہماری نظروں سے مخفی ہیں اس لئے اولین شرط غیب پر ایمان لانا رکھ دی گئی ہے۔

فکر کیا ہے پیمائشِ زمان و مکاں
ذکر کیا ہے سبحانَ ربیِ الاعلیٰ
(اقبال)

# فنا و بقا

تصوف میں ایک اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، فنا و بقا۔ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ اصفیاء حضرات اپنے اپنے نظریہ اور عقیدہ کے مطابق اہل سلوک کو ان الفاظ کی تشریح کر کے بتاتے ہیں کہ ایک مرید کو اپنی ہستی کو مٹانا ہے اور روحانی حیثیت کا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ وہ یہ بتانے سے قاصر رہتے ہیں کہ اس خاکی جسم انسانی جسے خود اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے وہ کیسے مٹا سکتے ہیں۔ بالخصوص اس طبعی عمر میں جو اس خالق نے اپنے بندے کو ایک معین مدت تک دے رکھی ہے اور پھر ہدایت فرمائی کہ ہم نے تمہارے لئے زمین و آسمان اور سمندر مسخر کر دیے ہیں جن سے تم روزی تلاش کرتے ہو، سمندروں کی تہوں سے ہیرے اور جواہرات نکالتے ہو جو تم اپنی زینت بڑھانے کے لئے پہنتے ہو اور اس میں تمہارے لئے اور بھی فوائد پوشیدہ ہیں۔ پھر دوسری جگہ بیویوں کا ذکر آیا ہے ''جن سے تم سکون پاتے ہو''۔ پھر فرمایا کہ کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو اور اپنے رب کا شکر کرنے والوں میں شامل رہو۔ پھر فرمایا کہ تمہارا وہی رب ہے جو تمہیں موت کی طرح نیند سلا دیتا ہے اور وہ تمہارے دن کے سارے کیے ہوئے کو بھی یاد رکھتا ہے اور پھر تمہیں دوبارہ زندگی لوٹا دیتا ہے تا کہ تم مقررہ زندگی کے دن پورے کرو۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ خوب خوب زندگی گزارو مگر اپنے اللہ کو نہ بھولو اور صوفی صاحب فرما رہے ہیں کہ خود کو فنا کرو۔ سوال یہ ہے کہ یہ فنا کیا چیز ہے۔؟ اصل فنا یہ ہے کہ انسان اربعہ عناصر کے اثر سے آزاد ہو۔ حضرت آدم کی تخلیق کے بعد جب انہیں اور بی بی حوا کو جنت میں قیام کا حکم دیا گیا تو ساتھ فرمایا تم اور تمہاری بی بی جنت میں رہو، خوب کھاؤ اور پیو مگر اس درخت (سمت) کے قریب مت جانا کہیں تمہیں شیطان بہکا نہ دے۔ اور پھر تم خسارا پانے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ یہ متشابہات کی طرف حوالہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اشاروں سے سمجھایا ہے جسے سمجھنے کے لئے ہی انسان کے تقویٰ کی اہمیت اور حیثیت سامنے آتی ہے کہ جہاں عمل کا شک ہو اس سے مطلق گریز کر کے علیحدہ ہو جائے۔ اربعہ عناصر یعنی پانی، مٹی، آگ ہوا سب فانی ہیں لہٰذا ان کے اثرات سے نجات پانا فنا ہے باقی تو روح ہے اور روح

پاک ہے اور ابدی ہے۔

جب آدم اور حوا اپنے جسم کو پتوں سے ڈھانپنے لگے تو گویا وہ خود کو بقا کی طرف لے جا رہے تھے کیونکہ وہ فانی عناصر کے ہاتھوں تو شکار ہو کر فنا ہو گئے تھے۔ مگر وہ خود کو باقی رکھنا چاہتے تھے جیسے ان کا رب چاہتا تھا۔ ایسی بقا کا اصل مفہوم فلاح پانا ہے نہ کہ زندہ ہونا۔ کیونکہ زندہ تو گناہگار لوگ بھی قیامت کے دن اسی طرح ہونگے جیسے مقربین۔ پھر جزاء وسزا کے عمل سے گزر کر ہمیشہ ہمشہ کی زندگی پائیں گے خواہ جہنم کی زندگی ہو یا جنت کی۔ مگر فلاح پانے والے وہ ہونگے جو اللہ کے قرب کے حقدار ٹھہر کر جنت میں جائیں گے اس اعتبار سے صوفی کا مطمع نظر بقاء پانا نہیں ٹھہرتا بلکہ فلاح پانا ہے۔ تو ثابت یہ ہوا کہ خواہشات کی زندگی گزارنے سے گریز کا راستہ بقا کی طرف لے جاتا ہے جبکہ خواہشات کا اپنانا فنا کی جانب۔ روحانی اور جسمانی ضرورتوں کے حصول کیلئے ان دونوں راستوں پر چلنے کے لئے توازن برقرار رکھنا بہت ضروری ہے تقویٰ اختیار کرنا ہی فنا اور بقا کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ تو اے عزیز! بقا اسی دور دراز مقام کی طرف واپسی کا سفر ہے جو ایک انسان تقویٰ اختیار کر کے اپنی عالمِ موجودات کی زندگی گزارتا ہے۔ اصل نکتہ یہی ہے کہ وہ روح جو خاکہ آدم پر حاوی اور ناظم بنا کر بھیجی گئی ہے اس کی حفاظت کی جائے کیونکہ اس کا بچانا ہی بقا ہے۔

# نیکی، تحمل اور خوش اخلاقی

وہ شخص بڑا خوش نصیب اور ہدایت یافتہ ہے جو خود بھی نیک راہ پر چلتا ہے تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی گزارتا ہے اور لوگوں کو بھی نیکی کی دعوت دیتا ہے اور اپنے بارے میں اسکا یہ دعویٰ ہو کہ میں اللہ کے فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ جب تمہیں کسی طرف سے بدی کا سامنا ہو تو تحمل اور بردباری سے اس کا بدلہ نیکی سے دو اور اگر ایسا کرو گے تو بدی کا اثر زائل ہو جائے گا اور وہ شخص جو تم سے بدی کر رہا تھا وہ تمہارا دوست بن جائے گا۔ کیونکہ انسان کے لئے اپنے غصے اور جذبات پر قابو پانا ذرا مشکل ہے اس لئے فرمایا ایسا رویہ یعنی بدی کا بدلہ نیکی سے دینا اور تحمل اور بردباری کو اپنانا ان لوگوں کو نصیب

ہوتا ہے جو اللہ کے صابر لوگ ہیں اور عزم عظیم کے مالک ہیں ۔ غصے کی حالت میں شیطانی وصف انسان پر غالب ہو رہا ہوتا ہے ۔ اپنے اللہ سے پناہ مانگ کر اسی کے نام پر اس بدی کرنے والے کو معاف کر دیا کرو بے شک اللہ تمہارے دلوں کو جاننے والا، سوچوں کو سمجھنے والا اور سننے والا ہے ۔

اے عزیز! بظاہر تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ صفات معمولی نوعیت کی ہیں ۔ ان کو نظر انداز کرنے سے بھلا معاشرے پر کیا منفی اثر پڑے گا یا ان کے اپنانے سے کیا بہتر نتائج حاصل ہو سکیں گے ۔ نہیں ایسا نہیں ہے ۔ مذکورہ اوصاف کو اگر ایک شخص اپنا لے تو اس کی ذاتی زندگی بہت سارے مسائل کا شکار ہونے سے بچ جاتی ہے اور ساتھ ساتھ ہی ایک روحانی خوشی بھی نصیب ہوتی ہے کہ میں اس دنیا سے فساد مٹانے والا رویہ اپنا کر جی رہا ہوں جو یقیناً اللہ تعالیٰ کے فرمانِ اُولیٰ کے مطابق ہے ۔ کیونکہ شیطان نے دنیا میں فساد پھیلانے ہی کی تو اپنے رب سے مہلت مانگی تھی ۔ اللہ نے اُسے یہ مہلت تو دے دی مگر واضح کیا کہ میرے بندے تیرے بہکاوے میں نہیں آئیں گے ۔ اب اگر مذکورہ اوصاف اپنا کر آدمی فساد سے دور رہتا ہے تو گویا وہ اللہ کا بندہ اللہ کے لئے فخر و قرب کا سبب بنتا ہے اور یہی ایک صوفی کا مقصود اور مطلوب ہوتا ہے جس کے لئے وہ نیکی تحمل اور خوش اخلاقی اپنا کر جیتا ہے اور دوسروں کو ایسے رویے کی تعلیم دیتا ہے ۔

## کارساز کون ہے ۔؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے لوگوں کو کارساز قرار دے رکھا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان کو دیکھ رہا ہے اور آپ کو ایسے لوگوں پر کچھ اختیار نہیں دے رکھا ہے ۔ کیونکہ اپنے ارادے اور عمل میں یہ لوگ آزاد بنائے گئے ہیں جس کے عوض انہیں صلہ دیا جائے گا ۔ آپ کا کام بحیثیت نبی اور رسول اور پیغمبرِ آخر ہونے کے ہدایت کی باتیں جو کہ احکاماتِ الٰہی ہیں لوگوں تک پہنچانا ہے ۔ جو کہ آپ نے بدرجہ اتم اور بطریق احسن و اکمل انجام دیا ہے ۔

ایسے ہی ایک شیخ اپنے حلقہ ءِ ارادت اور عقیدت میں بیٹھنے والوں کو ہدایت کی باتیں بتاتا ہے اور ان ہدایات پر خود عمل کر کے دوسروں کو فعلِ حمید کی ترغیب دیتا ہے۔ شیخ تو خود بھی ہاتھ اٹھا کر اللہ سے مانگنے والوں میں سے ہے لہٰذا وہ اپنے عقیدت مندوں کی ضرورتوں کو بھلا کیسے پورا کر سکتا ہے۔ مریدین اپنے سارے کاموں کی تکمیل اور خواہشوں کے پورا ہونے کی امید اپنے پیر سے لگا لیتے ہیں، عقیدت مند تو اپنی عقیدت رکھنے کی وجہ سے اور ادب کی بجا آوری میں گم ہو کر ہر خواہش اپنے شیخ سے کہہ دیتا ہے مگر شیخ کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے مریدین کو اصلی کارساز کی طرف رجوع کرائے ۔ (سورۃ شوریٰ آیت نمبر 6) ۔ یہی وہ مقامِ فکر ہے جس پر آ کر ایک شیخِ ناقص اور پیرِ ضعیف نہ صرف خود بھٹک سکتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی راہِ راست پر نہیں رکھ سکتا۔ شاہ عبداللہ خادم حرمین شریفین حکمران سعودی عریبیہ نے یہ حکم جاری کر رکھا ہے کہ کوئی شخص بھی اس سے ملتے وقت اس کے ہاتھ نہ چومے۔ حالانکہ وہ دنیا کے سب سے بڑے گھر کا متولی ہے۔

## عید میلاد النبی

کسی بھی دن کی اہمیت کسی خاص واقعہ کی وجہ سے قائم ہے۔ ایک حدیث سے ثابت ہے کہ صحیف ابراھیمی ۔ توریت ۔ انجیل کا نزول رمضان المبارک میں ہوا۔ قرآن پاک بھی ماہ رمضان میں نازل ہوا اسلئے رمضان کے مہینے کی فضیلت بڑھ گئی ہے چونکہ 12 ربیع الاول کو حضور اکرم خاتم المرسلین پیدا ہوئے اسلئے اس دن کی اہمیت بڑھ گئی تھی اسی لئے اسے خوشیوں کیساتھ منایا جاتا ہے۔

''عید میلاد النبی'' کی ترکیب تین مختلف الفاظ پر مشتمل ہے یعنی عید، میلاد اور نبی ۔ مذکورہ تینوں الفاظ کے معنی بالترتیب خوشی ، پیدائش اور نبی بہ معنی خاتم الانبیاً کے ہیں ۔ اس طرح سادہ مفہوم میں یہ حضور اکرمؐ کے یوم پیدائش پر ملت اسلامیہ کی طرف سے اظہار تشکر کرتے ہوئے ان کے امتیوں کے لئے خوشیاں منانے کا دن ہے کہ ان کے رب نے اس عالم موجودات میں انسان کو زندہ رہنے کے کامیاب اصول سکھانے کے لیئے ان میں اپنا نبی

کیوں فرماتے ہیں پھر جب میں حضور اکرمؐ کی 62 سالہ زندگی کے ایک ایک دن ایک ایک عمل اور ایک ایک فیصلہ کو دیکھتا ہوں تو گویا میں ایک فخر محسوس کرتا ہوں کہ میں ایسے نبی کی امت میں پیدا ہوا ہوں۔ تو پھر کیوں نہ ایسے نبی کے پیدائش و آمد کے روز کو اپنے لیئے خوشی کا دن اور شکر کرنے کا موقع جانوں اور یہ کہ خوشیاں مناؤں اظہار تشکر کروں اور لوگوں کو حق پرستی کی ترغیب دینے کے لیئے جشن عید میلاد النبی مناؤں۔ (سورۃ المائدہ۔ آیت نمبر 7) میں جب اس رسول اللہ کی کامیابیوں اور محبتوں کو یاد کر کے لوگوں کو اس کا پیغام اخوت و امن سناتا ہوں۔ تو مجھے سرور ملتا ہے۔ روحانی تسکین ہوتی ہے۔ بے شک میں انسانیت کی فلاح کے لیئے کام کرنے والے ان عظیم لوگوں کے عظیم ترین قائد کی آواز میں آواز ملا کر اس وقت اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ کہہ سکا تو کوئی غم نہیں آج اس کے مشن اور اس کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے والا تو ہوں محمد ﷺ۔ اس کی بتائی ہوئی راہ ہدایت پر ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کر رکھا ہے۔

میں یوم پیدائش رسول اکرمؐ کو عید میلاد النبی کہہ کر کیوں نہ مناؤں جس نے اللہ پاک کی پاک آیتیں پڑھ پڑھ کر ہمیں سنائیں اور ہمیں پاک کیا۔ پھر حکمت اور دانش کی باتیں بتائیں۔ میں عید میلاد النبی کیوں نہ مناؤں (سورۃ توبہ۔ آیت نمبر 128) کہ اسے امام الانبیاءؑ بنا کر بھیجا گیا اور اس نے امامت کا حق ادا کر دیا جب کہ حضرت آدمؑ کو جو کہ انسانوں کے باپ اور اول نبی ہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدمؑ میں ارادہ کی پختگی نہ پائی۔ (سورۃ طٰہٰ آیت نمبر 115) برعکس اس کے حضور اکرمؐ کو کہا کہ ہم نے تمھارا ذکر بلند کر دیا۔ تو اے لوگو میں اس کا ذکر پاک کیوں نہ کروں۔ اس نبیؐ کو رحمت العالمین بنا کر بھیجا تو میں اللہ تعالیٰ کا خود پر نزول رحمت ہونے پر اللہ کا شکر کیوں نہ مناؤں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ مکّہ والوں کا خون خرابہ حضور اکرمؐ کے ہاتھوں حجر اسود نصب ہونے کی وجہ سے ختم ہوا یا وہ صحابی جو بھوکا تھا اور جسے حضور اکرمؐ نے محنت اور مشقت کرنے کے لیئے کہا اور جنگل سے لکڑیاں کاٹنے کے لیئے کلہاڑی اور رسی دی اور وہ صحابی بہت خوشحال ہو گیا۔ میں تو اپنی زندگی میں پیش آنے والی پریشانی یا اطمینان کا واضع اور مکمل حل حضور اکرمؐ کی زندگی سے پا رہا ہوں۔ لہٰذا میں اپنی بے کسی اور بے بسی میں مدد اور رہنمائی کرنے والے

کی آمد کو جشن عید میلا دالنبی جان کر نہ مناؤں تو کیا کروں یہ میری روحانی ضرورت ہے اور میری ذات کی تکمیل کا زندہ نشان (بحوالہ سورۃ العراف آیت نمبر 9)۔ لہٰذا میں (عید میلا دالنبی کی خوشیاں بھی مناؤں گا۔شکر اللہ بھی بجالاؤں گا اور لوگوں کو رسول آخر کے دین پر چلنے کی دعوت بھی دیتا رہوں گا کہ یہی میرا مقصد حیات ہے۔ (العمران۔آیت نمبر 164)

# روح اور جسم

اہل سنت کا اجماع ہے کہ روح حادث ہے اور مخلوق ہے محتاج ہے قادر نہیں اس نظریہ سے صرف زندیقوں نے اختلاف کیا ہے۔ وگرنہ دوسرے سارے علماء و مشائخ اس نظریہ پر متفق ہیں۔ ہاں اس پر آگے چل کر اختلاف پیدا ہوا۔ کہ روح پہلے پیدا کی گئی یا جسم۔ یاد رکھئے خلق روح ایک چیز ہے (نفخ روح) یعنی روح کا آدم کے بت میں پھونکا جانا دوسری چیز اور الگ عمل ہے۔بعض نے کہا کہ روح پہلے پیدا ہوئی تو بعض نے کہا کہ جسم پہلے پیدا ہوا۔ چناچہ محمد بن نصیر اور ابن اعظم دونوں نے ابن مندہ اور عمرو بن منبہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی روحوں کو بندوں کے دو ھزار سال پہلے پیدا کیا اور یہ کہ اللہ نے جب آدم کو پید کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو قیامت تک پیدا ہونے والی ذریّت آپ کی پشت سے نکل آئی۔ ایک اور جگہ حاکم نے ابی بن کعب سے تعبیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کی روحوں کو نکالا ان کو قوت گویائی بخشی۔ انہوں نے گفتگو کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرلیا کہ ''تو ہمارا رب ہے'' اس طرح بعض اصحاب نے تذکرہ کیا کہ جسم پہلے پیدا ہوا۔ اور دلیل میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ''انسان پر ایک ایسا وقت بھی رہا ہے جب وہ کچھ بھی نہ تھا پھر اسے عدم سے وجود میں لایا گیا''۔ اس کو بنیاد بنا کر اس پر تبصرہ کیا ہے۔ روایت ہے کہ پتلا انسانی چالیس سال

تک ٹھہرا رہا پھر اللہ تعالٰی نے نفخ روح کیا۔ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے کہ جو بھی زمین پر ہے فنا ہوگا۔

کسی بھی عقیدہ کو اپنانے سے پہلے اس کی صداقتوں کو جاننا بہت ضروری ہے۔ جیسے انبیأ کی زندگی سے ہم پر یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے۔ کہ ان کی بعثت سے پہلے ان کی کردار سازی پر اللہ تعالٰی نے خصوصی عنایت فرما کر انہیں اتنا سچا بنا دیا اور ثابت کر دیا کہ اس زمانے کے لوگوں میں سے کوئی بھی ان کے کردار پر کسی قسم کی حرف گیری نہ کر سکا اور تسلیم کیا کہ آپ جیسا سچا پہلے کبھی ہماری قوم میں نہیں آیا۔ اس طرح صوفی کو اس سے غرض شاید نہ ہو کہ روح پہلے پیدا ہوئی یا جسم پہلے بنایا گیا مگر صوفی کا سارا غور و خوض اس پر ہے کہ روح اور جسم کے اشتراک سے تیسری چیز جو وجود پزیر ہوتی ہے وہ خواہش ہے اور اس خواہش کو کس طرح اپنے ضبط میں رکھنا ہے۔ بالخصوص جو جسمانی لذتوں کی طلب میں پیدا ہوتی ہیں اور اگر ان لذتوں کا حصول ممکن ہے تو کیا وہ جائز ہیں۔ اور اللہ تعالٰی کی پسندیدہ ہیں اور اگر ایسا ہے تو ان کا طریقہ کون کون سا ہے۔ جو حضور اکرمؐ نے خود عمل کر کے بتایا ہے ان ساری کوششوں کے عمل کا نام ہی تصوّف اور راہِ سلوک ہے۔

# کم کوش صوفی

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ زمانے میں صوفی ہونے کا دعویٰ عام ہو چکا ہے۔ وہ شیوخ جو اس کے بانی تھے رخصت ہو چکے۔ عبدیت، صدق، شکر اور خود احتسابی کی بساط لپیٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ طمع کی شدت ہے۔ شریعت کی حرمت دلوں سے اٹھ چکی ہے۔ حلال اور حرام میں تمیز ختم ہو چکی ہے۔ لوگ غفلت کے میدانوں میں رواں ہیں۔ اور لذآتِ شہوات کی طرف مائل۔

یہ ایک المیہ ہے اور ہمارے لئے افسوس کا مقام کہ راہ سلوک اور تصوّف کے جن نامور اور قابل فخر فقراء و اصفیاء کی تعلیم مسلک اور مشن پر چلنے کیلئے ہم عازم سفر ہوئے تھے اس کی اصلی سمت کو اپنی نادانیوں کی وجہ سے کھو بیٹھے ہیں۔ اُن مغفور روحوں کے حالات زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حصول علم کی خاطر دور دراز علاقوں کا سفر کرتے تھے۔ علماء سے اکتساب فیض کرتے تھے۔ دینی علوم پر بحث کر کر کے صحیح فیصلہ معلوم کرتے تھے۔ وہ اپنے کام وعہد کے ماہر لوگ تھے۔ تجارت کاروبار وغیرہ کرنے میں اپنا نام و مقام رکھتے تھے۔ مثلاً حضرت جنید بغدادیؒ معروف کرخیؒ سری سقطیؒ کا اپنے اپنے کاروبار میں ایک مقام تھا۔ دیگر چاروں مسالک قادری سہروردی، چشتی اور نقشبندی کے بانیاں اپنے زمانے کے مانے ہوئے کاروباری لوگ بھی تھے۔ اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں سے فارغ ہوکر وہ دینی خدمات کیلئے وقت نکالتے۔ سفر کرتے۔ مطالعہ کرتے۔ شب بیداری کرتے۔ روحانی محفلیں سجاتے یہ تھی ان کی معاشرتی زندگی جو ہر طرح کے لوگوں کیلئے گویا عمل کا نمونہ تھی۔ آج کا صوفی اول تو کوئی کاروبار ہی نہیں کرتا کہ تجارتی لین دین میں اس کا وہ امانت دارانہ کردار سامنے آسکے کہ ہم کہہ سکیں یہ ہے اسلامی طرز تجارت کہ پورا تولو۔ صحیح دام سے بیچو۔ خالص اشیاء کا کاروبار کرو اور وعدوں کی پابندی کیجائے۔ یہ ہیں وہ قابل فخر دین اسلام کی مقرر کردہ حدیں جن کے اندر رہ کر کاروبار کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی صوفی کاروبار کرتا بھی ہے تو وہ دوسرے مروجہ عیوب سے خالی نہیں ہوتا اور صاف نظر آرہا ہوتا ہے کہ کاروبار رزق حلال کمانے کا محض وسیلہ نہیں بلکہ مقصد دولت اکٹھی کرنا ہے۔ آج کا صوفی حصول علم کیلئے سفر بھی

نہیں کرتا اور اگر سفر کرتا بھی ہے تو مریدوں کے گھروں تک۔ یہ رویہ ہر دو طرح سے کوئی محسن اقدام نہیں مانا جاتا۔ اول اسلئے کہ صوفی آج حصول علم کو ضروری خیال نہیں کرتا وہ اپنے ہی علم کو کافی سمجھتا ہے لہذا تکبر کا شکار ہے کہ وہ کسی اور کی بات سننے کا قائل ہی نہیں۔ کیونکہ جو کچھ وہ سمجھتا ہے یا کہتا ہے صرف وہی سچ ہے یہی سوچ آج کے صوفی کو ایک زنگ آلود شخصیت ثابت کر رہی ہے کہ اس کی اصل تو کچھ اور ہے مگر بظاہر کچھ اور آج کا صوفی چونکہ علم کے حصول کو فضول خیال کرتا ہے لہذا وہ علم داروں کے سوالوں کا جواب بھی نہیں دے سکتا اسطرح وہ اپنی ذات کے پنجرے میں قید ہو کر رہ گیا ہے۔ وہی پرانی کہاوتیں گھسے پٹے قصے اور فرضی کہانیاں سنا سنا کر خود کو دھوکہ دے رہا ہے اور مریدوں کو سناتا رہتا ہے کہ دوسرے لوگ صرف کتابی علم رکھتے ہیں۔ اس کا مقام ان کتابی علم رکھنے والوں سے بہت اونچا اور بہتر ہے۔ حضرت وہبؒ کے قول کے مطابق علم بارش کیطرح صاف اور میٹھا ہوتا ہے یہ تو زمین پر آنے کے بعد بارش کا پانی اپنی اصل رنگت اور ذائقہ بدلتا ہے۔ یہی عالم آج کے صوفی صاحب کا ہے

اپنے آپ کو سارے علوم کا منبع سمجھے والے صوفی بہت برے تکبر کا شکار ہوتے ہیں۔ اور یہ حدیث پاک کیسے نہیں معلوم کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ مغفرت سے محروم رہے گا۔ تکبر ایک شیطانی صفت ہے۔ کیونکہ تکبر وہی کرتا ہے جو اپنی اصل قدر و قیمت کو نہ پہچانتا ہو۔ حضرت حذیفہؓ نے ایک دن نماز پڑھانے کے بعد لوگوں سے کہا کہ تم اپنے میں سے دوسرا امام منتخب کرلو یا الگ الگ نماز پڑھ لو۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا میرے دل میں یہ خیال آ گیا تھا کہ آج میری قوم میں علم کے اعتبار سے مجھ سے بڑھ کر اور کوئی نہیں۔ سبحان اللہ کیا تقویٰ ہے۔

حالانکہ تکبر سے بچنے اور دور رہنے کیلئے کی جانے والی کوششوں ہی کا نام تصوّف مانا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی طرح کی بیماری۔ مرض یا گمراہی میں مبتلا شخص فقرا میں جا کر شفقت ہی پاتا ہے اور فقرا ان کی خدمت کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اسلئے ہمیں تاریخی اعتبار سے سارے صوفیاء اکرام تشہیر تقریر اور تصویر سے گریزاں گیریزاں ملتے ہیں۔ آج کا صوفی اخبار، اشتہار، پوسٹرز، بینرز، وال چاکنگ اور دیگر ذرائع ابلاغ کا سہارا لیکر خود کو

مشہور کرنے کیلئے کیا تکبر کا مرتکب نہیں ہو رہا۔

بے کُلاہ کہتا ہے " وہ کہ عابد تھے بن بیٹھے ہیں معبود " والی کیفیت ہوگئی ہے۔ ان سارے رذائل سے محفوظ رکھنے کا عمل پیرومرشد نے ادا کرنا تھا جبکہ پیر پر خود ذات ونفس پرستی کا نشہ طاری ہے۔ کیونکہ پیر ومرشد اپنے مریدوں کو حق شناسی کم اور اپنی ذات کی نمود ونمائش اور شہرت کے لئے استعمال زیادہ کرر ہا ہے اور مرید ہے کہ اپنی جہالت، کم علمی، کم کوشی کی وجہ سے ایک پتھر سا بن کر پیر صاحب کے آستانہ شریف سے وابستہ ہو کر رہ گیا ہے۔ کیونکہ ابتدائے ملاقات ہی میں مریدوں کو یہی درس دیا جاتا ہے۔ کہ پیر ومرشد کے سامنے سوال کرنا یا کسی بات یا شرح مسئلہ کے جاننے کا سوچنا نہایت بے ادبی ہے اور پیر صاحب کی بے ادبی سے مرید روحانی منزلوں میں ہزاروں برس پیچھے چلا جاتا ہے۔ حالانکہ سوال نہ کرنے یا بحث میں نہ الجھنے کا حکم صرف اللہ کے کلام اور رسول اللہ کے آگے نہ کرنے کا کہا گیا ہے۔ (سورۃ احزاب آیت نمبر 36)

سوال یہ ہے اگر مرید کو پیر سے کچھ جاننے کے لئے سوال کرنا ہی نہیں تو وہ اس کے حلقہ ارادت میں شامل کیوں ہوا ہے؟ بے کُلاہ کے قریب ایسا ماحول اُن آستانوں یا خانقاہوں پر دیکھنے کو زیادہ ملتا ہے جہاں شیخ کو خود اپنی حیثیت پر یقین نہیں ہوتا اور ایسا کم علمی کیوجہ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک حقیقی عارف اور حق شناس شیخ جانتا ہے کہ جن خانقاہوں اور آستانوں پر سوال کرنے کی اجازت نہیں ہوتی وہاں سے جاہلوں کے گروہ پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ تاریخ گواہ ہے اور دنیا جانتی ہے کہ تبلیغ دین اسلام میں یہی خانقاہی نظام پیش پیش رہا ہے۔ یہ انہی اداروں کا اعجاز تھا کہ لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوتے تھے اور دنیا جہان سے متعلق اپنے سوالوں کا جواب پا کر نہ صرف خود راہ راست اپنا لیتے تھے بلکہ پھر دوسروں کی بھی راہنمائی کرتے تھے۔ یہ سوال کرنے والے لوگ اللہ کے حکم (سورۃ نحل آیت 43) کی پابندی کرنے والے تھے۔

لیکن اب نہ ادھر روحانیت وتقوٰی ہے، نہ ادھر ارادہءِ عشق، نہ اُدھر اتباعِ سنت ہے نہ ادھر شریعت کی پاسداری۔ لوگ بے عملی جہل بدتر اور ذات پرستی کا اسی طرح شکار ہوتے جارہے ہیں جیسے اگلی امتوں کے مغضوب لوگ ہو گئے تھے۔

یہ گمراہی اور جہالت جو آج کے مریدوں میں دیکھنے میں آتی ہے کوئی نئی نہیں ہے بلکہ انسانی کمزوریوں کا یہ صدیوں پرانا عمل ہے۔ یہ جہالت عراق کے ان صوفیوں میں بھی پائی جاتی تھی جب عراق راہِ سلوک اور روحانی علوم کا مرکز وسرچشمہ جانا جاتا تھا۔ وہ لوگ یہ سمجھتے کہ روحانیت کے حصول کے لئے صرف وہی شخص مخلص اور صحیح ہے جو اللہ کی مخلوق سے یکسر بے گانہ اور بے پرواہ ہوکر رہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں میں سہل پرستی جڑ پکڑ گئی اپنی ناکامیوں کو رضائے الٰہی کہہ کر خود فریبی کے شکار میں پھنستے چلے گئے اور رہبانیت مطلقہ کی لعنت میں گرفتار ہوتے گئے۔ وہ یہ بھول گئے کہ اخلاص تو بدی سے پرہیز، شریعتِ رسولؐ کی پابندی اور حسنِ اخلاق سے پیدا ہوا کرتا ہے نہ کہ ترکِ دنیا سے۔ لہٰذا آج ہم یہ منظر عام دیکھ رہے ہیں۔ کہ راہِ سلوک پر چلنے والے سہل پسندی کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ روحانی جرات کی کمی ہر سو ڈیرے ڈالے ہوئے ملتی ہے۔

نالاں ہے خانقاہ تو سجّادہ ہے بے توقیر
مریدِ سادہ کو میسر نہ تصوّف نہ سلوک
(شہزادمنیر)

حضرت علامہ اقبال کے انتہائی محرّک اور حق نشاں شعر ''ملا کی اذان اور ہے مجاہد کی اذان اور'' کی آج کا پیر طریقت غلط تشریح کر کر کے خواہ مخواہ ملاّ کو اپنا حریف بنا بیٹھا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ملا آج بھی اس نفسا نفسی اور افراتفری کے دور میں صبح سویرے، بھلے موسم کتنا ہی ٹھنڈا کیوں نہ ہو، اُٹھ کر ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے اللہ تعالیٰ کے نام لیواؤں (صوفیوں) کو اُسی لا الٰہ الا اللہ کی طرف بلاتا ہے جس کی تلاش میں نکل کر صوفی اپنا راستہ کھو گیا ہے۔ ملاّ پیرِ طریقت کے مریدین کو الصلوۃ وخیرم نوم کہہ کر ان کو اپنی پہچان کی طرف لے جانے کے لئے ایک تحریک سے نوازتا ہے جس پر چل کر مریدین اس قابل ہوتے ہیں کہ وہ پکار اُٹھیں قلندر جز دو حرف لا الٰہ کچھ نہیں رکھتا۔ برعکس اس کے پیرِ طریقت اور شریعت صبح وشام اپنے مریدوں کی بڑھتی ہوئی تعداد دیکھ کر اپنے تئیں خوش ہے کہ وہ دینِ حق پر ہے اور مریدین ہیں کہ اپنی آنکھ، دل اور کان (الاعراف آیت ۱۷۲) سے یکسر بے نیاز ہوکر

خدمتِ پیر میں مصروف ہیں بالکل ایسے ہی جیسے کوئی بچہ جمورا ہر سوال کا جواب فرفر دیتا جاتا ہے اور آخر فریب کی چادر ہٹاتے ہوئے اُٹھکر مجمع کے آگے ہاتھ پھیلا کر اپنے استاد کیلئے ان سے پیسے مانگنا شروع کرتا ہے بےعمل مریدین جب علیحدہ بیٹھتے ہیں تو ایک دوسرے کو فریب کی تھپکی دے دے کر غفلت کی نیند سلاتے ہیں۔ کسی نے ان فریب خوردہ لوگوں کے لئے بڑا خوبصورت تبصرہ کیا ہے کہ یہ سب انجمنِ ستائشِ باہمی کے ممبران ہیں۔ جیسے فارسی کا وہ معقولہ ''من تُرا حاجی بگویم تو مُرا املاّ بگو''

بے علم اور سہل پسند لوگ اپنے زعم میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیئے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور ایک بےنشان منزل کی طرف چل چل کر ہلکان ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مگر اسی امید پر چلتے چلتے مرجاتے ہیں جس طرح لوگ ایک تصوّراتی پرندے "ہما" کے شکار کے لئے جاتے ہیں جسے آج تک نہ کسی نے دیکھا ہے نہ پایا لہٰذا طالب طریقت کو اگر راہِ ہدایت مطلوب ہے تو اسے اسی دو رکعت کے امام کی اذان لا الہ الا اللہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا تبھی وہ راہِ سلوک کی منزل کو طے کر کے تصوّف کو پا سکتا ہے۔ ورنہ ہفتہ وار مریدین اپنے گناہ بخشوانے کے لئے آستانہءِ عالیہ پر بالکل اسی طرح حاضری تو دے ہی رہے ہیں جس طرح عیسوی لوگ اتوار کو پادری سے مل کر اپنے اپنے چرچ سے پچھلے ہفتے کی کارکردگی اپنے اللہ سے منظور کروا کر خوشی خوشی اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں۔ فقرا اِن محرومِ طلب مریدوں کے حال پر خون کے آنسو روتے ہے۔ کاش ان کو کوئی حقیقی شیخ طریقت مل جاتا۔

حضرت عباسؓ جب اسلام قبول کرنے سے قبل گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کفارِ مکہ کے ساتھ مل کر اعمالِ کفر اختیار کرنے اور مشرکین کا ساتھ دینے پر بہت ملامت کی جس پر حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو جواب دیا ہماری برائیوں کا ذکر تو کر رہے ہو ہماری ان اچھائیوں کو نہ بھولو جو ہم مکہ میں مخلوقِ خدا کی خدمت کر کے ادا کر رہے ہیں۔ ہم میں لاکھ برائیاں سہی مگر ہم خانہ کعبہ کی تعمیر و آبادکاری کا انتظام کرتے ہیں۔ حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں قیدیوں کو رقم دیتے ہیں ان کی گردنیں چھڑواتے ہیں وغیرہ وغیرہ یعنی وہ لوگ اپنے زعم میں خدمت مخلوق کر کے اپنے عبدیت کے منصب کو Justify کر رہے تھے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی کہ مشرکوں کو یہ توفیق

نہیں ہوتی کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو تعمیر کریں جب کہ وہ اپنے اعمال کفر سے اپنے کفر کو تسلیم کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کے ظاہری اعمال ضائع ہوئے اور وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لاتا ہے، نماز وزکوۃ کا پابند ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرا سو یہ لوگ بجا طور پر امیدوار ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ قرار پائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کتنا ہی خوش اخلاق اور لوگوں کی مالی امداد کرنے والا ہو اور لوگوں کے آرام کا خیال رکھتے ہوئے حقوق العباد ادا کرے مگر وہ اللہ کا بندہ یا ہدایت یافتہ قرار نہیں پاتا جب تک وہ اس اللہ پر ایمان نہ لائے اور جو کچھ بھی کرے وہ صرف اور صرف اس کی خوش نودی کے لیئے کرے۔ ایمان یا اللہ تعالیٰ کے بغیر ایک شخص اگر مذکورہ بالا اوصاف کا حامل ہو بھی تو وہ ایک ہمدرد انسان تو ہے مگر اللہ والا نہیں ہوتا۔ کیا ہم بعض خانقاہوں، مدرسوں اور آستانوں پر ایسے مناظر نہیں دیکھتے جہاں پر فسق و فجور اور ذات پرستی کے سوا اور کچھ نہیں سکھایا جا رہا۔ جب کہ وہ صاحبزادگان کبیر سب کچھ بہ زعم خود اللہ کی مخلوق کے لئے کر رہے ہوتے ہیں۔ خدمت مخلوق خدا کا ذکر کرتے ہوئے عبدالستار ایدھی کو نہ بھولنا۔

آج کے کئی نقال فقراء پیر صاحبان ایسے ایثار و قربانی کی مثال پیش کرتے ہیں۔ کہ صاف پتہ چلتا ہے حجرہ کی خدمت کی آڑ میں وہ دنیا اکٹھی کر رہے ہیں۔ ایک شخص کے دل میں سے جب صبر و صدق نکل جائے اور استقامت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے تو پھر دنیا بھر کی دولت و آسائش بھی اس کو مل جائے تو وہ مطمئن نہیں ہوتا بلکہ مزید در مزید کی تمنا میں جینے لگتا ہے۔ آج ایسا ہی ماحول ہے کہ ہمیں ہر طرف سے ویرانی ہی ویرانی نظر آتی ہے ولولہ حق نظر نہیں آتا۔

باقی کُلاہ فقر سے تھا ولولہء حق
طرّوں نے چڑھایا نشہء خدمتِ سرکار

صوفی سنتِ رسول کی پاسداری میں فقر و فاقہ اپنا کر جیتا ہے اور شریعت رسول کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ یہ دیکھنا صوفی یا پھر اس کے ارادت مندوں کا کام ہے کہ اس طریقہ کے اپنانے میں نفس پرستی غالب ہے یا نام ونمود یا دنیاوی شہرت مطلوب ہے یا پھر احکام الٰہی کی پابندی کا عنصر۔ فقر اپنانے والے لوگ اس معروف حکایت پر عمل کرتے ہیں کہ زکوٰۃ تین طرح کی ہوتی ہے۔ ایک شرعی کہ اڑھائی فیصد۔ دوسری طریقت والوں کی کہ آدھی پونجی ضرورت مندوں میں بانٹ دیتے ہیں اور تیسری حقیقت والوں کی کہ سب کچھ اس کی راہ میں لٹا دو اور خود تہی دست ہو کر رہو۔ چونکہ فقیر تو حق طلب اور حق پرست ہوتا ہے اس لئے حقیقت آشناؤں کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنا سب کچھ اپنے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے کیونکہ یہی معمول حضور اکرمؐ کا تھا ورنہ حضرت خدیجہؓ کی امارت اور دولت کے اعتبار سے جو معاشرتی حیثیت تھی وہ کسی سے مخفی نہیں ہے اور جاننے والوں کو بخوبی معلوم ہے۔ اور خلفاء راشدین کی عملی زندگی کو بھی ہم نہیں بھول سکتے۔ یہ تھا عملی تصوّف کا مظاہرہ کہ ہر چیز اللہ کی راہ میں خرچ۔

احمد بن الحواریؒ (۲۴۲ھ) کے بارے میں ابنِ کثیرؒ نے ابنِ عساکر کے حوالے سے لکھا ہے۔ احمد بن الحواریؒ کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا اور ان کے پاس گھر میں کچھ مال موجود نہیں تھا۔ آپ نے اپنے خادم سے کہا جاؤ اور ہمارے لئے کچھ قرض لے آؤ۔ اسی اثنا میں ایک شخص آپ کے پاس آیا اور دوسو درہم دیے۔ اسی وقت ایک اور شخص آپ کے پاس آیا اور کہا اے احمد آج شب ہمارے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے اور میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ آپ نے آسمان کی طرف اپنی نگاہ اٹھائی اور فرمایا اے میرے آقا عجلت میں یہی ہوتا ہے۔ پھر آپ نے اس سائل شخص سے کہا یہ درہم لے لو اور وہ سب درہم آپ نے اس شخص کو دے دیے اور اپنے اہلِ خانہ کے لئے آٹا قرض پر منگوایا۔

ایک دوسرے واقعہ میں احمد بن الحواریؒ کے بارے میں ان کے خادم نے روایت کی ہے کہ آپ کے پاس سارا دن لوگ تحائف لاتے اور پیش کرتے آپ انہیں قبول بھی کر لیتے مگر غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے سب کچھ ضرورت مندوں اور احباب میں تقسیم کر

دیا کرتے اور مجھے یعنی خادم کو کہتے کہ اس طرح ہو جاؤ کہ اللہ کی دی ہوئی چیز کو واپس نہ کیا کرو اور نہ اسے ذخیرہ کیا کرو۔ کیا خوبصورت عملی نمونہ ہے طمع نہیں منع نہیں جمع نہیں کرنے کا یہ مثال اس عاشقِ رسولؐ جیسی ہے جو اتباعِ رسولؐ میں زندگی بسر کرنا اپنی ضرورت اور فرض سمجھتا ہے کہ اس کی نجات اسی اتباع رسول میں ہے جس کی وجہ سے اللہ کی عبادت قبول و منظور ہوتی ہے۔ اسے کہتے ہیں فقرِ اختیاری جو ایک محبت سے سرشار جذبہ مانگتا ہے اور ایثار و قربانی کی کوشش۔ راہ سلوک پر چلنے والوں کو اسلامی واقعات و تعلیم اور تصوّف کی اصطلاحوں کا ترجمہ اپنے اپنے نقطۂ نظر سے کرتے وقت یہ نہ بھولنا چاہیے کہ زمانہ قدیم میں ملت ابراھیمی کیلئے چار مہنے ''اشہر حروم'' قرار دیئے گئے تھے۔ (سورۃ توبہ آیت نمبر 37-36۔) پھر انہوں نے رسم نسیٔ ایجاد کر لی یعنی احترام کے چاروں مہینوں میں رد و بدل کر لیتے تھے کہ احترام کے مہینوں ذیقعد، ذلحج، محرم اور رجب میں سے فیصلہ خود ہی کر لیتے کہ کونسا مہینہ احترام کا ہوگا۔ ابوثمار جنادہ بن عوف کنانی تو بآ اہتمام حج کے موقع پر اعلان کرتا کہ اس دفعہ رجب یا کوئی دوسرا مہنہ ''اشہر حروم'' میں داخل ہے یا نہیں۔ سنت ابراھیمی میں اس رد و بدل سے علماء نے اختیار حاصل کر لیا تھا کہ قرآن کی ہدایت کو اپنی مرضی کے معنی دے دیتے تھے۔ لہذا اگر راہ سلوک پر چلنے والے عظیم احتیاط سے کام نہیں لیتے تو خطرہ ہے کہ دین آخر میں بہت ساری غلط تبدیلیاں دیکھنے سننے کو ملیں۔

ہے مریدوں کو تو حق بات گوارہ لیکن
شیخ و ملا کو بری لگتی ہے درویش کی بات

(اقبال)

# عرس کیوں منائے جاتے ہیں

کوئی بھی معاشرہ بغیر علم کے اپنی ترقی کے لیئے سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس معاشرتی ارتقاء اور ترقی کے لیئے گوناگوں تعلیمی ادارے کام کرتے ہیں علم سے شان پانے والی سمتوں اور جہتوں کے حصول کے لیئے عملی اقدام کے طور پر طرح طرح کے جو ادارے کام کرتے ہیں ان اداروں میں روحانی ادارے یکساں اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں اور یہ شعور اور حقیقت آج کے معاشرے ہی میں نہیں بلکہ صدیوں پرانی روایتوں سے چلی آ رہی ہے۔
روحانی اور دینی اداروں میں خانقاہی نظام حیات بھی صدیوں پرانا اور مسلمہ نظام ہے۔ جس سے وابستہ ہو کر لوگوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے گوشہ نشینی، فقر و فاقہ اور بظاہر بے وسائل رہ کر جینے جیسے طرزِ عمل اور انداز حیات سے بہت آگے بڑھ کر سیف و قلم میں بھی نشانِ راہ بن کر جینے والے آج بھی تاریخ کے صفحوں میں روشن نظر آتے ہیں۔ کیا تاریخ کسی بھی صورت اس سچائی سے انکار کر سکتی ہے کہ روحانی اداروں کے اس طرز تعلیم اور عملی مشقت کو اپنانے والے اداروں کا ایک پہلو عرس مبارک یا عرس پاک کا منانا بھی ہے۔
قارئین کی دلچسپی کے لئے عرس مبارک اور عرس پاک کا امتیاز بتانا ضروری ہے۔

مذکورہ دونوں اصطلاحیں عرس مبارک اور عرس پاک فقراً اور اہل تصوف نے علیحدہ علیحدہ استعمال کی ہیں اگر چہ عام مفہوم میں عام لوگ ان اصطلاحوں کو ہم معنی ہی سمجھتے ہیں جبکہ اصلاً ان دونوں کے معنی الگ الگ ہیں فقراً اور اصفیاً حضرات نے اپنے پیر و مرشد کے یوم وصال کو منانے کے لیئے لفظ عرس استعمال کیا ہے جس کے لغوی معنی ہیں خوشی کے، شکر کے، دعا کرنے کے، مذہبی دعاؤں کا سیکھنا اور سکھلانا، شادی اور خوشی کی دیگر رسوم کی ادئیگی کا عندیہ دینا اور بزرگوں کے تہوار منانے کے عرس کی مذکورہ بالا لغوی تعریفوں کے مجموعہ سے جو قابل قبول عرس کے معنی نکلتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ایک روحانی معلم کے یومِ وصال کو دینی ثقافت کی روشنی میں منانے کی وہ رسم جو دین وقت کی شریعت کی ثقافتی قدروں سے پھوٹتی ہو۔ کیونکہ شریعت معاشرے کی کلی زندگی کا احاطہ کرتی ہے جبکہ معاشرے کی ثقافت

ایک جزو کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا جب اس روحانی معلم کا یوم وصال صرف ثقافتی قدروں کے حوالے سے منایا جائے گا تو وہ محض یوم وصال ہوگا جسے عرس بھی کہا جاسکتا ہے اگر یوم وصال کی تقریبات کی اساس اس روحانی معلم کی تعلیمات وعقیدہ کو بنیاد بنا کر اسکی کی تجدید میں منایا جائے گا اور اس میں ثقافتی پہلو بھی شامل ہوتو اسے عرس مبارک کہا جائے گا کیونکہ مبارک کے معنی ہیں نیک شگوں کے۔ اللہ کو پسندیدہ انسانی عمل کے، شرفاء کا اجتماع کے اور، دینی اجتماع کے اس طرح عرس مبارک روحانی شرفا کے اجتماع کا نام ہے جو اللہ کو پسندیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے لوگوں کے لئے بھی آئندہ ثقافتی اور معاشرتی زندگی میں نیک شگون ثابت ہوتا ہے۔ اسّی کے لیئے تیسری اصطلاح عرس شریف بھی استعمال کی جاتی ہے اور اگر یہ عرس شریف کی تقریبات صرف اور صرف روحانی اور دینی رسوم پر مشتمل ہوتو اس عرس شریف کو عرس پاک بھی کہا جاتا ہے کیونکہ انسان کی پاکیزہ حیثیت صرف قرآنی آیتوں پر ایمان لانے اور ان کو پڑھنے سننے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے جیسے ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق کہ " تمہارا اللہ تم پر کس قدر مہربان ہے کہ جس نے تم ہی میں تمہارے لیئے ایک نبی معبوث فرمایا جو تمہیں قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے۔ تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی باتیں بتاتا ہے۔ چونکہ کھیل کود میلے ٹھیلے وغیرہ سب بحیثیت خود روحانی زندگی سے دوری کا سبب اور بے دین زندگی کا نمونہ مانے جاتے ہیں اس لیئے جن عرس پاک کی تقریبات میں ایسے عمل شامل ہونگے وہ عرس مبارک کہلائیں گے عرس پاک نہیں۔ جبکہ مکمل روحانی زندگی کی اجتماعی تقریبات کا انعقاد ہی عرس پاک کہلائے گا۔

## عرس منانے کے مقاصد

عرف عام میں تو عرس منانے کا ایک ہی پہلو ہوتا ہے اور وہ ہے روحانی پہلو لیکن عملی طور پر اس کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک روحانی اور دوسرا انتظامی، چونکہ عرس میں بڑی تعداد میں لوگ شرکت کرتے ہیں اس لیئے ان کی انتظامی ضروریات کا بندوبست بھی ضروری سمجھا جاتا ہے اور ہونا بھی ضرور چاہئے ورنہ کوئی انتظامی یا اور بہت سارے معاشرتی بگاڑ

پیدا ہونگے جو بعد میں روحانی انتشار کا سبب بن کر ساری کوششوں کو بے سود و بے اثر بنا کر رکھ دیں گے ۔ چونکہ ایسے اجتماعات کا اوّلیں مقصد روحانی ہوتا ہے کہ سلسلہ خانقاہی سے وابستہ افراد اپنی روحانی منزل کی طرف اسی جذبہ جرأت کیساتھ آگے بڑھیں جس ذوق ، شوق ،ضرورت جستجو اور تڑپ سے وہ سلسلہ تصوف سے وابستہ ہوئے تھے اس نظریے کی روح سے عرس منانے کے چار مقاصد ہوتے ہیں ۔

## صاحب مزار کے سجادہ نشین کیلئے

کسی بھی خانقاہ (مزار شریف ) کا سجادہ نشین عرس میں حاضر ہونے والے وابستگان سلسلہ تصوّف ،عقیدت و ارادت مندوں اور دیگر شرکت کرنے والے کے ساتھ صاحبِ قبر کی روحانی اور دینی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اجتماعی دعائے خیر کا سالانہ خاص تاریخ یا دن مناتا ہے اور خود کو سب کے سامنے خود احتسابی کے سے انداز میں پیش کرتا ہے کہ صاحب مزار کے روحانی و دینی مشن و مقصد کو سامنے رکھ کر چلنے میں وہ یعنی سجادہ نشین خود کہاں تک کامیاب رہا ہے اور وابستگان سلسلہ میں عقیدت کی یک جہتی برقرار رکھنے میں اس کا انداز روحانی بصیرت اور انتظامی معاملات کہاں تک درست اور ثمر آور ثابت ہوئے ۔ یہ ہے وہ مقصد جو ایک سجادہ نشین کے پیش نظر ہوتا ہے جب وہ اپنے حلقہ ذمہ داری میں کسی بھی عرس کو مناتا ہے ۔

## صاحب مزار کے پیر بھائی صاحبان کیلئے

صاحب مرزا کے پیر بھائیوں کے لیئے روحانی یوم احتساب ہے وہ صاحب مزار کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور یہ کہ صاحب مزار کے ساتھ ملکر اپنے مرشد پاک جان کی تعلیمات کو آگے بڑھانے میں جس سفر کا آغاز کیا گیا تھا وہ سفر کہاں تک ظفریاب ثابت ہوا ۔ کہاں کہاں دشواریاں آئیں اور کہاں کہاں دینی علم کی روشنی سے کتنے دل منور ہوئے اور پھر اگر کہیں ظلمت ہے تو وہ کیونکر نہ مٹ سکی اور آئندہ کا کیا لائحہ عمل ہونا چاہیئے کہاں کہاں اللہ کا شکر واجب منانا ٹھہرا اور کہاں کہاں اپنے عمل میں اللہ سے مذید برکت اور فضل کی دعائیں مانگی جائیں ۔ معاشرے میں وہ کون سے پہلو رہ گئے ہیں جہاں

رحمت العالمین کا پیغام نبوت نہ پہنچ سکا جو انہوں نے حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا۔ کیا ہم اپنے اس عہد کی پاسداری کرنے میں آج بھی اتنے ہی مخلص اور ایمان دار ہیں یا کہ ابھی ہم میں کچھ کمی ہے۔ ایسا جائزہ لینا ہی صاحب مزار کے پیر بھائیوں کا مقصد ہوتا ہے جس کے لئے وہ عرس میں شرکت کرتے ہیں۔

## صاحب مزار کے مریدین کیلئے

صاحب مزار کے مریدین کے لیئے عرس کا دن تجدید عہد کا دن کہا جاتا ہے کہ دینی او۔ ۔وحانی تعلیمات و ہدایات جن کو حق و سچ جان کر انہ۔ں نے اپنے مرشد سے وابستگی اپنائی تھی یعنی بعیت کی تھی اس پر باوجود ساری پریشانیوں اور دقتوں کے بلاخوف وغم چلتے رہیں گے اور اپنے ذاتی کردار اور عمل سے معاشرہ میں نور حق سے باطل وفساد کو مٹانے کی کوششوں میں لگے رہیں گے بے شک اس کیلئے انہیں کتنی ہی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑے وہ نہ صرف اپنی زندگی کو شریعت رسول کا قابل رشک نمونہ بنا کر زندگی گزاریں گے بلکہ اپنی ذات سے وابستہ دوسرے لوگوں کو بھی دعوت حق دیتے رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ یہ مقصد ہوتا ہے مریدین کا کسی عرس میں میں شمولیت کرنے کا۔

## مقصد چہارم

وہ لوگ جو سلسلہ تصوف سے وابستہ نہیں ہوتے ان کے لیئے یہ دن یعنی عرس مبارک ایک ترغیب آوری کا دن ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جب یہ اجنبی لوگ انسانی محبت و یگانگت اور باہمی پیار کا نمونہ صاحب مزاوقبر کے مریدوں میں دیکھتے ہیں تو وہ اس معاشرتی اچھائی کو اپنانے کے لیئے خود بھی اس جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں اور فقراء کی صحبتیں اختیار کرتے ہیں۔ ان کا یہ عمل رفتہ رفتہ رغبت اور محبت کے مرحلوں سے گزارتا ہوا انہیں عشق رسول اور فنا فی اللہ کے مقام تک لے جاتا ہے۔ غیر وابستگان سلسلہ گویا روحانی مشن اور مریدین کے سلوک کا جائزہ لیتے ہیں۔

# عذاب قبر

کوئی بھی مرد یا عورت جو اللہ تعالیٰ کے قریب ناپسندیدہ قرار پا جائے اس پر کس قدر عذاب ہوگا اور کس طرح کی اذیتوں سے اسے گزرنا ہوگا ہے یہ صرف سوچا ہی جا سکتا

ہے اس کا صحیح صحیح اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب انسان کو فرشتوں کے تلخ رویہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور فرشتے اس کے منہ پر مارتے ہوئے ایک ڈرا دینے والے طریقے سے اس کی جان قبض کر رہے ہوتے ہیں تو وہ منظر اہل دنیا کو نظر نہیں آتا ہے۔ یہ عذاب اس کی روح قبض ہونے سے لیکر قیامت تک دوبارہ جیئے جانے تک جاری رہتا ہے۔ چونکہ اس ساری کیفیت کو جو ایک شخص کو مرنے کے بعد سامنا کرنا ہے عینی شاہدین میسر نہیں ہوتے جو زندہ لوگوں کو عذابِ قبر سے آگاہ کر سکیں۔ لہٰذا لوگ گناہگاروں اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں اور کفار کے لئے تیار کردہ عذاب و سزا جن کا ذکر قرآن پاک میں ملتا ہے۔ تصوراتی ڈھانچہ بنا بنا کر راہ راست وحق کے لئے دعوت عمل دیتے رہتے ہیں اگر ایک شخص بھی مرنے کے بعد پیش آنیوالے معاملات کے بارے میں اس دنیا میں واپس آ کر بیان کر دے تو کائنات میں کوئی شخص بھی گناہ نہ کرے بلکہ عبادت اور عبودیت کے مکمل تصور کے ساتھ جیئے لیکن اللہ تعالیٰ کی اس میں کیا حکمت ومصلحت پوشیدہ کہ ایسا نہیں ہے۔ کسی کو کچھ تجربہ نہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے راہ حق اور راہ کفر کا امتیاز بذریعہ الہامی کتب وانبیا کے بتانے کے بعد انسان کو فیصلہ کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا ہے کہ اب تم اپنی زندگی کی راہ خود منتخب کرلو کہ تمہیں راہ نجات قبول ہے یا راہ سزا۔ بے کلاہ کے قریب یہی ایک فیصلہ ہے جس کی سزا یا جزا انسان کو ملنا ہے۔ کیونکہ باقی سب کچھ انسانی زندگی کے متعلق تو اللہ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

عذاب قبر کے بارے میں چند ایک واقعات تاریخ کی کتابوں سے نکال کر پیش کیے جا رہے ہیں۔ قارئین اپنے عقیدہ ونظریہ کو اساس بنا کر خود فیصلہ کرلیں میں اپنے اللہ وخالق واحدہ لاشریک سے پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر وحشر سے کہ صرف وہی رؤف ورحیم ہے۔

طبرانی نے اوسط میں ۔ ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں ۔ لالکائی مسند میں اور ابن مندہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ بدر کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک شخص گڑھے سے نکلا جو گردن میں زنجیر رکھتا تھا اس نے مجھے آواز دیتے ہوئے کہا۔ پانی پلاؤ جبکہ اس کے ساتھ دوسرے نے کہا کہ اے عبداللہ تم اس کو پانی نہ پلاؤ کیونکہ یہ حالت کفر میں مرا ہے۔ پھر اس کو کوڑے سے مارا حتی کہ وہ اپنے گڑھے کیطرف واپس لوٹ گیا میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا۔ کیا تم نے اس کو دیکھا۔؟ میں نے کہا ہاں تو آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ کا دشمن ابوجہل تھا اور یہ اس کا عذاب ہے قیامت تک۔

اصبہانی نے ترغیب میں عوام بن حوشب سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میں ایک قبیلہ میں آیا جس کے ایک طرف ایک مقبرہ تھا۔ عصر کے بعد اس مقبرے کی ایک قبر پھٹتی تھی اور اس سے ایک شخص ظاہر ہوتا تھا جس کا سر گدھے کی سی آواز نکال کر پھر غائب ہو جاتا تھا۔ میں نے لوگوں سے اس کے بارے میں معلوم کیا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ شراب کا عادی تھا۔ جب یہ شراب پیتا تھا تو اس کی ماں کہتی کہ اے میرے بچے اللہ سے ڈرو تو جواب میں وہ کہتا کہ تو گدھے کی طرح ہنگتی رہتی ہے۔ پھر وہ عصر کے بعد مر گیا۔ اب ہر روز عصر کے بعد قبر سے نکلتا ہے اور تین مرتبہ ہنگستا ہے اور پھر قبر میں غائب ہو جاتا ہے۔

ایک اور واقعہ میں ابن ابی الدنیا نے مرشد بن حوشب سے روایت کرتے کہا کہ میں یوسف بن عمرو کے پاس بیٹھا تھا اور ان کے پہلو میں ایک شخص بیٹھا تھا جس کے چہرے کا تھوڑا سا حصہ لوہے کا بنا ہوا تھا۔ تو یوسف نے اس سے کہا کہ مرشد کو بتاؤ جو کچھ بھی تم نے دیکھا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے ایک مُردے کے لئے رات کو قبر کھودی جبکہ لوگ اس کو دفنا کر چلے گئے تھے۔ تو دو پرندے جن کی شکل اونٹ کی سی تھی سفید رنگ میں آکے ایک تو سر کی جانب گر پڑا دوسرا پیر کی جانب پھر اسکو کھود کر ایک تو قبر میں داخل ہو گیا اور دوسرا کنارے پر کھڑا رہا۔ میں قبر کے قریب آ گیا تا کہ ماجرا دیکھوں۔ میں نے سنا کہ وہ پرندہ صاحب قبر سے کہہ رہا تھا کہ اے انسان کیا تو وہی ہے جو قیمتی کپڑے پہن کر تکبر کیا کرتا تھا۔ اس نے کہا میں اسے برداشت کرنے سے قاصر ہوں تو اس نے ایک ایسی ضرب لگائی کہ قبر کا

پانی اور تیل نکل آیا اور اسی طرح اسے تین بار مارا۔ پھر اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور کہا کہ دیکھو وہ کہاں بیٹھا ہوا ہے۔ خدا اسے ذلیل کرے پھر اس نے میرے منہ پر ایک طرف چپت ماری تو میں رات بھر وہاں بے ہوش پڑا رہا۔ جب صبح اٹھا تو یہ حشر تھا جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ یعنی میرے منہ کا آدھا حصہ لوہے کا بن گیا ہوا ہے۔

## حروف ابجد کے اعداد

ایک مسلمہ سی روایت ہے کہ علم جفر کی بنیاد حضرت جعفر صادق نے رکھی۔ جس کی روٗ سے حروف ابجد کی عددی ویلیو Value بنائی گئی ہیں۔ جس کی رو سے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جلالی مثلاً قہار، مذل اور ممیت اور دوسرے جمالی مثلاً رحیم، کریم، رحمٰن۔ ایک مومن کو ہمیشہ اسمائے حسنیٰ میں سے جمالی اسماء مبارکہ کا ورد اور وظیفہ کرنا چاہئے۔ ذکر اللہ کرتے ہوئے ایک سے زیادہ اسماء مبارکہ کو اکٹھا کر کے بھی ورد کیا جا سکتا ہے۔ یہ ورد کرتے ہوئے اور رجوع اللہ کی حالت میں انتہائی سرعت کے ساتھ فقیر کے قلب کی کیفیت بدلتی ہے اور ترک ہستی و ترک دنیا کرنے میں سالک کو آسانی میسَر ہوتی ہے اور اپنے رب کا فضل و قرب بھی۔ اسی نظرئے کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے اپنی کتاب ''من کی دنیا'' میں ایک مثال بھی لکھی ہے۔ وہ یہ کہ اپنے نام کے اعداد بحساب ابجد نکالیے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے ایسے ناموں کا انتخاب کیجئے جن کی میزانِ اعداد آپ کے نام کے اعداد کے برابر ہو۔ مثلاً نور محمدؐ کے اعداد میں نور۔ ۲۵۶، محمدؐ۔ ۹۲۔ میزان ۳۴۸ دوسری طرف اللہ کا کوئی نام ایسا موجود معلوم نہیں جس کے اعداد کی میزان ۳۴۸ ہو۔ لہٰذا دو یا دو سے زیادہ اسماء مبارکہ کو جمع کرنا پڑے گا اور وہ یہ ہیں بصیر ۳۰۲ اور ولی ۴۶ میزان ۳۴۸۔ اس طرح نور محمد کو چاہئے کہ ہر نماز کے بعد یا بصیر یا ولی کا ورد کرے تا کہ اس کا دل حق کی روشنی سے منوّر ہو جائے۔

# حروف ابجد اور ان کے اعداد ذیل ہیں۔

| | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ا (۱) | ب (۲) | ت (۴۰۰) | ث (۵۰۰) | ج (۳) | ح (۸) | خ (۶۰۰) |
| د (۴) | ذ (۷۰۰) | ر (۲۰۰) | ز (۷) | س (۶۰) | ش (۳۰۰) | ص (۹۰) |
| ض (۸۰۰) | ط (۹) | ظ (۹۰۰) | ع (۷۰) | غ (۱۰۰۰) | ف (۸۰) | ک (۲۰) |
| ق (۱۰۰) | ل (۳۰) | م (۴۰) | ن (۵۰) | و (۶) | ہ (۵) | ی (۱۰) |

ہمیں صرف اسماءِ حسنیٰ میں سے جمالی اسماء کا ورد کرنا چاہیے

## اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ کی فہرست ذیل ہے۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اَحَدٌ | ۱۳ | مَاجِدُ | ۴۸ | بَدِیْعُ | ۸۶ |
| وَاجِدُ | ۱۴ | مُجِیْبُ | ۵۵ | حَلِیْمُ | ۸۸ |
| وَہَّابُ | ۱۴ | مَجِیْدُ | ۵۷ | مَلِکُ | ۹۰ |
| حَیٌّ | ۱۸ | بَاطِنُ | ۶۲ | عَزِیْزُ | ۹۴ |
| وَاحِدُ | ۱۹ | حَمِیْدُ | ۶۲ | عَدْلُ | ۱۰۴ |
| ہَادِیُ | ۲۰ | وَکِیْلُ | ۶۶ | حَقٌّ | ۱۰۸ |
| وُدُوْدُ | ۲۰ | حَکَمُ | ۶۸ | عَلِیٌّ | ۱۱۰ |
| اَوَّلُ | ۳۷ | بَاسِطُ | ۷۲ | بَاقِیُ | ۱۱۳ |
| وَلِیٌّ | ۴۶ | جَلِیْلُ | ۷۳ | جَامِعُ | ۱۱۴ |
| وَالِیُ | ۴۷ | حَکِیْمُ | ۷۸ | قَوِیٌّ | ۱۱۶ |
| رَحِیْمُ | ۲۵۸ | رَزَّاقُ | ۳۰۸ | فَتَّاحُ | ۴۸۹ |
| کَرِیْمُ | ۲۷۰ | رَقِیْبُ | ۳۱۲ | مَتِیْنُ | ۵۰۰ |
| رَءُوْفُ | ۲۸۷ | شَہِیْدُ | ۳۱۹ | رَشِیْدُ | ۵۱۴ |
| صَبُوْرُ | ۲۹۸ | مُصَوِّرُ | ۳۳۶ | شَکُوْرُ | ۵۲۶ |
| بَصِیْرُ | ۳۰۲ | رَافِعُ | ۳۵۱ | وَارِثُ | ۷۰۷ |
| قَادِرُ | ۳۰۵ | تَوَّابُ | ۴۰۹ | خَالِقُ | ۷۳۱ |

## اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ کی فہرست ذیل ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| مُعِزٌّ | ۱۱۶ | عَفُوٌّ | ۱۵۶ |
| مُعْطِیُ | ۱۲۹ | قُدُّوْسُ | ۱۷۰ |
| لَطِیْفُ | ۱۲۹ | سَمِیْعُ | ۱۸۰ |
| سَلَامُ | ۱۳۱ | مَالِکَ الْمُلْکِ | ۱۸۱ |
| صَمَدُ | ۱۳۴ | نَافِعُ | ۲۰۱ |
| مُؤْمِنُ | ۱۳۶ | بَرُّ | ۲۰۲ |
| وَاسِعُ | ۱۳۷ | مُقْسِطُ | ۲۰۹ |
| مُهَیْمِنُ | ۱۴۵ | بَارِئُ | ۲۱۳ |
| عَلِیْمُ | ۱۵۰ | کَبِیْرُ | ۲۳۲ |
| قَیُّوْمُ | ۱۵۶ | نُوْرُ | ۲۵۶ |
| مُقْتَدِرُ | ۷۴۴ | مُغْنِیُ | ۱۱۰۰ |
| خَبِیْرُ | ۸۱۲ | ظَاهِرُ | ۱۱۰۶ |
| حَفِیْظُ | ۹۹۸ | غَفَّارُ | ۱۲۸۱ |
| عَظِیْمُ | ۱۰۲۰ | غَفُوْرُ | ۱۲۸۶ |
| ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ | ۱۰۳۹ | غَنِیٌّ | ۱۰۶۰ |

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کی فہرست ذیل ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| مُحَمَّدٌ | مُہْدٍ | طٰس |
| اَحْمَدُ | تَاج | مُرتَضیٰ |
| حَامِدٌ | منج | حم |
| مَحْمُودٌ | نَاہٍ | مُصطفیٰ |
| قَاسِمٌ | رَسُوْلٌ | یٰس |
| عَاقِبٌ | نَبِیٌّ | اولی |
| فَاتِحٌ | اُمِّیٌّ | مُزَّمِّلٌ |
| شَاھِدٌ | تِھَامِیٌّ | وَلِیٌّ |
| حَاشِرٌ | ھَاشِمِیٌّ | مُدَّثِّرٌ |
| رَشِیْدٌ | اَبْطَحِیٌّ | مَتِیْنٌ |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| مَشْھُوْدٌ | | عَزِیْزٌ | | مُصَدِّقٌ | |
| بَشِیْرٌ | | حَرِیْصٌ | | طَیِّبٌ | |
| نَذِیْرٌ | | رَءُوْفٌ | | نَاصِرٌ | |
| دَاعٍ | | رَحِیْمٌ | | مَنْصُوْرٌ | |
| شَافٍ | | طٰہٰ | | مصباح | |
| ھَادٍ | | مُجْتَبیٰ | | اٰمِرٌ | |

# رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کی فہرست ذیل ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| حِجَازِیٌ | الابر | حَکِیمٌ |
| صَادِقٌ | اتقی | سَیِّدٌ |
| قُرَشِیٌ | مَامُونٌ | سراج منیر |
| حَافِظٌ | مَعلُومٌ | مُحَرَّمٌ |
| اَمِینٌ | مُبِینٌ | محفوظ |
| کلیم اللہ | متبسم | مُذَکِّرٌ |
| حبیب اللہ | مامور من اللہ | مُطَهَّرٌ |
| صفی اللہ | مُبَارَکٌ | قَرِیبٌ |
| عارف اللہ | مُبَشِّرٌ | خَلِیلٌ |
| کَامِلٌ | مُبعُوثٌ | جَوَادٌ |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| مُجِیبٌ | | اِمَامٌ | | عَادِلٌ | |
| شَکُورٌ | | اَوَّلٌ | | عَارِفٌ | |
| قَوِیٌ | | اٰخِرٌ | | عَرَبِیٌ | |
| حی | | ظَاهِرٌ | | مُبَلِّغٌ | |
| الحق | | بَاطِنٌ | | حَسِیبٌ | |
| ابر الناس | | کَرِیمٌ | | غَیُورٌ | |

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کی فہرست ذیل ہے۔

صَاحِبٌ

عَالِمٌ

کَامِلٌ

خَاتَمُ الرُّسُلِ

# حضور اکرمؐ کی ازواجِ مطہرات

۱۔ حضرت خدیجہؓ بنت خویلدؓ
۲۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہؓ
۳۔ حضرت عائشہؓ بنت ابوبکر صدیقؓ
۴۔ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ
۵۔ حضرت زینبؓ بنت خزیمہؓ
۶۔ حضرت ام سلمہ ہندؓ بنت سہیلؓ
۷۔ حضرت زینبؓ بنت جحشؓ
۸۔ حضرت جویریہؓ بنت حارثؓ
۹۔ حضرت ام حبیبہؓ بنت صخر
۱۰۔ حضرت ماریہؓ بنت شمعون
۱۱۔ حضرت میمونہؓ بنت حارثؓ
۱۲۔ حضرت صفیہؓ بنت حیی
۱۳۔ حضرت ریحانہؓ بنت زیدؓ

نوٹ: تعداد ازواج مطہرات کے بارے میں علماء دین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہیں پر یہ تعداد گیارہ بتائی گئی ہے کہیں پر تیرا لکھی گئی ہے۔ **''واللہ علم بالصواب''**

# معاشرتی زندگی پر قرآنی حوالے

| نمبر شمار | مضمون | آیت نمبر |
|---|---|---|
| 1:- | علما اور مشائخ | (الشوریٰ ۶ سورۃ زمر ۳-۱۵۲ ا توبہ ۳۴-۳۱) |
| 2:- | فقرا کون ہیں۔؟ | (سورۃ انعام آیت نمبر ۵۲) |
| 3:- | فقر یا فقیری کیا ہے۔؟ | (سورۃ کہف نمبر ۲۸، (سورۃ الحدید ۲۷) |
| 4:- | شب بیداری کا ذکر اور تسبیح۔ | (سورۃ مزمل ۹-۱ سورۃ ق ۴۰) |
| 5:- | بت پرستی | (سورۃ نوح آیت نمبر ۲۳، ،سورۃ السباء آیت نمبر ۴۰) |
| 6:- | حضور اکرمؐ کی آمد کی پیش گوئی۔ | (سورۃ الصف نمبر ۶) |
| 7:- | وصیت کرنا۔ | (سورۃ البقر ۱۸۰) |
| 8:- | قبا پوشی۔ | (سورۃ مزمل) |
| 9:- | غریبوں کو کھانا کھلانا | (سورۃ الماعون اور سورہ قلم ۲۷-۲۴) |
| 10:- | نفس کشی ۔ | (سورۃ حشر ۹) |
| 11:- | اپنی پہچان ہی خدا کی پہچان ہوتی ہے۔ | (سورۃ حشر آیت نمبر ۱۹) |
| 12:- | حوروں کی حیثیت۔ | (سورۃ طور آیت نمبر ۲۰، ،سورہ دخان آیت نمبر ۵۴) |
| 13:- | فجر اور عصر کے نوافل۔ | (سورۃ ق نمبر ۳۰-۳۹، سورہ طہٰ ۱۳۰) |
| 14:- | مومن کی اللہ تعالیٰ کو سفارش۔ | (سورۃ طہٰ ۱۰۹) |
| 15:- | بعیت کے لیئے۔ | (سورۃ ممتحنہ آیت نمبر ۱۲، سورہ فتح آیت نمبر ۱۰ ،سورۃ العمران آیت نمبر ۱۹۲) |
| 16:- | قالو بلا کا ذکر۔ | (سورۃ العراف نمبر ۱۷۲، سورہ الحدید ۸) |
| 17:- | نسبت کی اصل و انجام۔ | (سورۃ تحریم آیت نمبر ۱۲-۱۰) |
| 18:- | سامری جادوگر کا ذکر۔ | (سورۃ طہٰ ۹۶) |

# حضور اکرمؐ کو فوری وحی کب آئی۔؟

| نمبر شمار | مضمون | آیت نمبر |
|---|---|---|
| -:19 | غزوہ احد میں بدؤعا | (سورۃ العمران آیت نمبر ۱۲۸) |
| | اندھے شخص پر ناگواری کا اظہار | (سورۃ عبس آیت نمبر ۱۰-۱) |
| | شہد نہ پینے کا عہد کرنے پر | (سورۃ تحریم آیت نمبر ۱) |
| -:20 | مصیبت پر اللہ تعالیٰ کا حکم۔ | (سورۃ تغابن آیت نمبر ۱۲) |
| -:21 | مصیبت کا اور تقدیر کا ذکر۔ | (سورۃ الحدید آیت نمبر ۲۳ - ۲۲) |
| -:22 | مصیبت آنے پر دعاء خیر کرنا۔ | (سورۃ انعام آیت نمبر ۴۱ -۴۰) |
| -:23 | وسیلہ کے بارے میں ذکر۔ | (سورۃ یوسف آیات نمبر ۹۸-، سورۃ المائدہ آیت نمبر ۳۵ سورۃ جمعہ آیت نمبر ۲ اور سورۃ کہف آیت نمبر ۲۱ ) مرشد کا پیغام (سورۃ جمعہ ۲) |
| -:24 | طلب رشد۔ | ( سورۃ المائدہ آیت نمبر ۳۵ سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۱۹ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۔۷) (سورۃ الکہف آیت نمبر ۱۷ سورۃ فتح ، آیت نمبر ۱۰) |
| -:25 | بعد وصال اولیاء کرام کو نہیں اللہ کو پکارو۔ | (سورۃ القصص آیت نمبر ۸۸ سورۃ یونس آیت نمبر ۱۰ سورۃ النور آیت نمبر ۶۳ ) |
| -:26 | نبیوں کی ازدواجی زندگی اور ان کی بیویاں | (سورۃ تحریم) |
| -:27 | دنیا کی حقیقت۔ | (سورۃ الحدید آیت نمبر ۲۰) |
| -:28 | توریت اور بائبل میں تحریف۔ | (سورۃ انعام آیت نمبر ۹۲-۹۰) |
| -:29 | فرقہ بندی۔ | (سورۃ انعام آیت نمبر ۵۷-۵۲) |

| نمبر شمار | مضمون | آیت نمبر |
|---|---|---|
| 30:- | تعویذ برائے علم | (سورۃ علق آیت نمبر ۵ -۱) |
| 31:- | عبداللہ بن ابی کا واقعہ | (سورۃ توبہ ۸۴-۸۰) |
| 32:- | قبر پر دعا کرنا۔ | (سورۃ توبہ ۸۴) |
| 33:- | خاموشی حضرت ذکریا کی | (سورۃ العمران نمبر ۴۱) |
| 34:- | تبرکات۔ | (سورۃ البقر نمبر ۲۴۸) |
| 35:- | جنوں کا قرآن پاک سن کر ایمان لانا۔ | (سورۃ جن ۹ - ۱ اور سورہ احکاف آیت نمبر ۲۹) |
| 36:- | حضور پاک کا آوّل ہونا اور میثاق انبیاء۔ | (سورۃ احزاب آیت نمبر ۷، العمران ۸۱) |
| 37:- | شیطان کا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔ | (سورۃ حشر آیت نمبر ۱۶) |
| 38:- | شادی کا ذکر۔ | (سورۃ النساء آیت نمبر ۲۳) |
| 39:- | وراثت کا ذکر۔ | (سورہ النساء آیت نمبر ۱۳-۱۱) |
| 40:- | اولاد کے لیئے وظیفہ جیسے حضرت ذکریاؑ اور ابراھیمؑ نے دعا کی۔ | (سورۃ العمران آیت نمبر ۳۸، الصافات ۱۰۰) |
| 41:- | نیک لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہونگے۔ | (سورۃ العمران آیت نمبر ۱۹۸) |
| 42:- | ترکِ دنیا۔ | (سورۃ الحدید آیت نمبر ۲۷) |
| 43:- | عورت کمزور بنائی گئی ہے۔ | |
| 44:- | مسلم کلچر۔ | (سورۃ حجرات) |
| 45:- | بانجھ پن کا ذکر۔ | (سورۃ شوریٰ آیت نمبر ۵۰) |
| 46:- | ذکر اللہ اور شکر اللہ۔ | (سورۃ احزاب آیت نمبر ۴۲ ، سورۃ واقعہ آیت نمبر ۹۶ - ۷۴، ۷۰) |
| 47:- | کسی کے گھر جانے کے آداب۔ | (سورۃ احزاب آیت نمبر ۵۳) |

| نمبر شمار | مضمون | آیت نمبر |
|---|---|---|
| 48:- | انسانی چلن مشروط ہے اللہ کے حکم سے۔ | (سورۃ احزاب آیت نمبر ۳۶) |
| 49:- | فقراء | (سورۃ کہف ۲۸، سورۃ الحدید ۲۷) |
| 50:- | قیامت کے دن کی لمبائی ہزار برس ہے۔ | (سورۃ سجدہ آیت نمبر ۵ ، سورۃ تغابن آیت نمبر ۱۱ سورۃ حج آیت نمبر ۴۷ ) |
| 51:- | قرآن مجید کیا ہے اور کیوں نازل ہوا ہے۔ | (سورۃ طہٰ آیت نمبر ۲) |
| 52:- | سورہ فاتحہ قرآن سے زائد کی صورۃ مبارکہ ہے۔ | (سورۃ حجر آیت نمبر ۸۷ـ۸۷) |
| 53:- | منت۔ | (سورۃ زخرف آیت نمبر ۱۸) |
| 54:- | مسلم کلچر۔ | (سورۃ حجرات مکمل) |
| 55:- | طلاق۔ | (سورۃ بقرآیت نمبر ۲۲۶-۷) |
| 56:- | مریم کی شہید کی کہانی۔ | (سورۃ تحریم آیت نمبر ۶) |
| 58:- | قرعہ کا نکالنا۔ | (سورۃ صافات آیت نمبر ۱۴۱) |
| 59:- | حضور پاکؐ نور ہیں۔ | (سورۃ العراف آیت نمبر ۱۵۷) |
| 60:- | عمل کی عظمت۔ | (سورۃ العراف آیت نمبر ۱۵۷) |
| 61:- | جادو کا ذکر۔ | (سورۃ بقرآیت نمبر ۱۰۲) |
| 62:- | ہمہ اوست کا فلسفہ یا نظریہ وحدت الوجود اور قرآن۔ | (سورۃ انفعال آیت نمبر ۱۷) |
| 63:- | حضرت عائشہ کا قافلہ سے پیچھے رہ جانا۔ | (سورۃ نور آیت نمبر ۱۱-۱۲) |
| 64:- | اعوذ باللہ پڑھنا۔ | (سورۃ نحل آیت نمبر ۱۰۰-۹۷) |
| 65:- | کافر کون ہیں۔ | (سورۃ نحل کا مطالعہ ۱۰۴ تا ۱۰۹) |

| نمبر شمار | مضمون | آیت نمبر |
|---|---|---|
| 66:- | وسوسے۔ | (سورۃ ص آیت نمبر ۲۱_۲۲) |
| 67:- | حضرت ابرہیم کے مہمان فرشتے۔ | (سورۃ حجر آیت نمبر ۵۱ تا ۶۰ ، سورۃ ہود کا مطالعہ) |
| 68:- | جبرائیل کو حضور نے دو دفعہ دیکھا۔ | (سورۃ نجم آیت نمبر ۱۴-۱۳-۱۲) |
| 69:- | تقدیر اور تدبیر۔ | (سورۃ نحل آیت نمبر ۳۷_۳۵) |
| 70:- | ظالم کو ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔ | (سورۃ صف آیت نمبر ۷) |
| 71:- | حلال جانوروں اور عورتوں کا ذکر۔ | (سورۃ انعام آیات نمبر ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۴۲ سورۃ المائدہ آیات نمبر ۵،۴) |
| 72:- | انبیاء سے عہد کا ذکر۔ | (سورۃ عمران آیت نمبر ۸۱) |
| 73:- | انسان اور جنات عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ | (سورۃ زاریات آیت نمبر ۵۶) |
| 74:- | بقا باللہ کا مقام۔ | (سورۃ ق آیت نمبر ۳۱ تا ۳۵) |
| 75:- | حق شناسوں اور مسلمان عاجزوں کا ذکر۔ | (سورۃ المائدہ آیت نمبر ۸۳) |
| 76:- | تزکیہ نفس۔ | (سورۃ شمس آیت نمبر ۱۰_۹) |
| 77:- | کھانا اور بسم اللہ پڑھنا۔ | (سورۃ انعام آیت نمبر ۱۱۸) |
| 78:- | وضو کا ذکر۔ | (سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶) |
| 79:- | قسم کھانے پر کفارہ۔ | (سورۃ المائدہ آیت نمبر ۸۹) |
| 80:- | کافر خوشحال اپنی ضد اور کفر کی انتہا کی وجہ سے ہیں۔ | (سورۃ انعام آیت نمبر ۴۴) |
| 81:- | امیروں کو دین کا قرب نہیں۔ | (سورۃ انعام آیت نمبر ۱۲۳) |
| 82:- | کچھ چیزیں کافروں کے لئے ہی پیدا کی گئی ہیں۔ | (سورۃ الحجر آیت نمبر ۸۸) |

| نمبرشمار | مضمون | آیت نمبر |
|---|---|---|
| 83:- | تخلیق آدم روح کا پھونکنا اور ابلیس کا انکار وغیرہ وغیرہ۔ | (سورۃ حجر آیت نمبر ۴۰۔۲۶) |
| 84:- | حضرت آدم کا کمزور ہونا اور شیطان کی بات ماننے کا ذکر۔ | (سورۃ طہٰ آیت نمبر ۱۲۴۔۱۱۵،) |
| 85:- | تخلیق یعنی انسان کا مقصد رزق کمانا نہیں۔ | (سورۃ طہٰ آیت نمبر ۱۳۲) |
| 86:- | حضرت آدم کا اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں بننا اور ابلیس سے سوال۔ | (سورۃ ص آیت نمبر ۷۵) |
| 87:- | حضرت آدم کا ذکر۔ | (سورۃ ص آیت نمبر ۷۶) |
| 88:- | انسانوں کو گمراہ کرنے کا ابلیس کا دعویٰ۔ | (سورۃ ص آیت نمبر ۸۳) |
| 89:- | حضرت آدم کا عزم ضعیف | (سورۃ طہٰ آیت نمبر ۱۱۵) |
| 90:- | ترک دنیا اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ | (سورۃ مزمل آیت نمبر ۸ تا ۱۱) |
| 91:- | انسانی نفس کے درجات۔ | (سورۃ قیامت آیت نمبر ۷ تا ۱۸) |
| 92:- | معراج مصطفیٰ کا ذکر۔ | (سورۃ نجم کا مطالعہ) |
| 93:- | تسبیح اور نماز کا ذکر۔ | (سورۃ طہٰ آیت نمبر ۱۳۰) |
| 94:- | ہدایت یافتہ اور گمراہ لوگ اپنے لیے جی رہے ہیں۔ | (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۵) |
| 95:- | جنتی لوگوں کا لباس۔ | (سورۃ کہف آیت نمبر ۳۱) |
| 96:- | انبیاء کرام کا ذکر۔ | (سورۃ انبیاء کا مطالعہ) |
| 97:- | بیوی پر زنا کی تہمت۔ | (سورۃ نور آیت نمبر ۶ تا ۷) |
| 98:- | مرد اور عورت کے لیئے شرم گاہوں کی حفاظت۔ | (سورۃ نور آیت نمبر ۳۰۔۳۱) |

| نمبرشمار | مضمون | آیت نمبر |
|---|---|---|
| 99:- | کمرے میں آنے کے لیئے اجازت۔ | (سورۃ نور آیت نمبر ۵۸) |
| 100:- | قومی تقدیر کی تبدیلی۔ | (سورۃ رعد آیت نمبر ۱۱) |
| 101:- | نینداور موت۔ | (سورۃ انعام آیت نمبر ۶۰) |
| 102:- | اسودہ حال لوگ اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔ جسے حضرت سلمان اپنے گھوڑے دیکھ کر نماز عصر قضا کر بیٹھے تھے | (سورۃ فرقان آیت نمبر ۱۸) |
| 103:- | عاجزی سے رہنے والے بندے۔ | (سورۃ فرقان آیت نمبر ۳۶ تا ۶۵) |
| 104:- | بیوی بچوں کے حوالے سے سکون کی دعا مانگنا۔ | (سورۃ فرقان آیت نمبر ۷۴) |
| 105:- | یادگاریں اور محل بنانے پر اللہ تعالیٰ کا حکم۔ | (سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۲۸ اور ۱۲۹) |
| 106:- | شیطان کیسے شکار کرتا ہے۔ | (سورۃ الشعراء آیت نمبر ۲۲۳ تا ۲۲۱) |
| 107:- | فقیر وصوفی کا پیمانہ خود احتسابی | (سورۃ انعام آیت نمبر ۱۲۲) |
| 108:- | نبی کی بیویوں کا دنیا مانگنا اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم آنا۔ | (سورۃ احزاب آیت نمبر ۲۸ تا ۳۴) |
| 109:- | اللہ تعالیٰ کا حضور اکرمؐ پر درود بھیجنا۔ | (سورۃ احزاب آیت نمبر ۵۶) |
| 110:- | فرشتوں کے پروں کا ذکر اور قسمیں۔ | (سورۃ فاطر آیت نمبر ۱) |
| 111:- | دعوت حق پر معاوضہ نہیں۔ | (سورۃ یٰسین آیت نمبر ۲۱) |
| 112:- | معبود کے معنی جس سے مدد طلب کی جا سکے۔ | (سورۃ یٰسین آیت نمبر ۷۴ اور ۷۵) |

| نمبر شمار | مضمون | آیت نمبر |
|---|---|---|
| 113:- | حضرت داؤد کی بھیڑوں والا قصہ۔ | (سورۃ ص آیت نمبر۳۳_۲۴) |
| 114:- | حضرت سلیمان کے گھوڑوں والا قصہ۔ | (سورۃ ص آیت نمبر۳۳_۲۴) |
| 115:- | پیروں کو وسیلہ کا درجہ دینا کہ وہ خدا سے ملا دیتے ہیں۔ | (سورۃ زمر آیت نمبر۳_۲) |
| 116:- | جنگ بدر کا ذکر۔ | (سورۃ انفال آیت نمبر۴۱ تا ۴۴) |
| 117:- | زنا کا ذکر۔ | (سورۃ نور آیت نمبر۲ اور ۳) |
| 118:- | اللہ کے ہاتھوں کا ذکر۔ | (سورۃ ص آیت نمبر۷۵) |
| 119:- | جس نے دکھ لیا وہ اپنے لیئے جو اندھا ہوا۔ | (سورۃ زمر آیت نمبر۴۱) |
| 120:- | دعا کا طریقہ پیغمبر سکھاتے ہیں۔ | (سورۃ مومن آیت نمبر۵۰) |
| 121:- | اللہ تعالیٰ کی طرف سے شیطان کا انسانوں کے ساتھ مقرر ہونا۔ | (سورۃ حٰم سجدہ آیت نمبر۲۵) |
| 122:- | دوزخی اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ وہ شیطان کہاں ہے جس نے ہم کو بہکایا۔ | (سورۃ حٰم سجدہ آیت نمبر۲۹) |
| 123:- | جبکہ شیطان انسان کو گمراہ کرنے کی ذمہ داری سے انکار کر دے گا۔ | (سورۃ ق آیت نمبر۲۷) |
| 124:- | مصیبت اپنے کرتوتوں سے آتی ہے۔ | (سورۃ شوریٰ آیت نمبر۳۰) |
| 125:- | شفاعت اور سفارش قیامت والے دن۔ | (سورۃ زخرف آیت نمبر۸۶) |

| نمبر شمار | مضمون | آیت نمبر |
|---|---|---|
| 126:- | سفر کی دعا۔ | (سورۃ زخرف آیت نمبر۱۳) |
| 127:- | ادب کے بارے میں۔ | (سورۃ حجرات آیت نمبر،۵۔۱) |
| 128:- | مسلمان ہونا ایک بات جبکہ ایمان لانا دوسری بات ہے۔ | (سورۃ حجرات آیت نمبر۱۴) |
| 129:- | نبی کی آواز سے بلند آواز نہ نکالنا۔ | (سورۃ حجرات آیت نمبر۲) |
| 130:- | صرف روز قیامت پر ایمان لانا ہی سب سے بڑی ہدایت ہے۔ | (سورۃ شوریٰ آیت نمبر۱۸) |
| 131:- | قرآن سے سمجھنا اور سمجھانا چاہئے قرآن پڑھنے والے فلاح پائیں گے۔ | (سورۃ زاریات آیت نمبر۵۵ ۔ سورۃ ق آیت نمبر۴۵) |
| 132:- | صبح شام رات اور فجر کے وقت اللہ کی پاکی بیان کرو۔ | (سورۃ طور آیت نمبر۴۹، ۴۸) |
| 133:- | ہدایت کا منبع صرف قرآن ہے۔ | (سورۃ قمر آیت نمبر۲۲، ۲۷، ۳۲، ۴۰) |
| 134:- | اللہ تعالیٰ کا ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہنا۔ | (سورۃ رحمان آیت نمبر ۲۹) |
| 135:- | قرآن پاک کوئی سرسری کتاب نہیں ہے۔ | (سورۃ نجم کا مطالعہ آیت نمبر۵۹) |
| 136:- | اللہ کو قرض کا ذکر۔ | (سورۃ الحدید آیت نمبر۱۱ اور مزمل ۲۰) |
| 137:- | دنیا کی تعریف کیا ہے۔ | (سورۃ الحدید آیت نمبر۲۱۔۲۰) |
| 138:- | حضرت عیسیٰ کے راہبوں کا ذکر۔ | (سورۃ الحدید آیت نمبر۲۷) |
| 139:- | اللہ تعالیٰ کا قرب کن کن لوگوں کو حاصل ہے۔ | (سورۃ عنکبوت ۶۹) |

| نمبر شمار   مضمون | آیت نمبر |
| --- | --- |
| 140:- عورت اور مرد کی برابری | (سورۃ احزاب ۳۵) |
| 141:- حضرت عیسیٰ کا حضور اکرم کی آمد کی پیش گوئی کرنا | (سورۃ الصف ۶) |
| 142:- حضور کی علم کے لئے دعا۔ | (سورۃ طٰہٰ ۱۱۴) |
| 144:- طالب اللہ وہدایت۔ | (سورۃ حجرات ۳) |
| 145:- ہدایت یافتہ لوگوں کی پہچان۔ | (سورۃ حجرات ۸) |
| 146:- حضرت سلمان کے گھوڑوں والا واقعہ اور معذور بیٹا ہونا۔ | (سورۃ ص ۳۱ تا ۳۵) |
| 147:- حضرت صالح کی اونٹنی کا ذکر | (سورۃ شمس ۱۲ تا ۱۵) |
| 148:- نزول وحی کو خاموشی سے سننا | (سورۃ قیامت آیت نمبر ۱۹ تا ۱۶) |
| 149:- والدین کا ادب | (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۹ تا ۲۳) |

کیا میری بات سنیں گے صاحبزادگان کبیر
گلیم پوش ہوں میں صاحب کُلاہ نہیں

(اقبال)

# ازراہِ تذکرہ

انسان کی روحانی تسلیم شدہ سچائیوں کوعقیدہ کہا جاتا ہے جبکہ معاشرتی عمل کے سبھی شعبوں میں مانی ہوئی صداقتوں اور سچائیوں کونظریہ کہا جاتا ہے۔جس کیلئے انگریزی کا لفظ ISMاستعمال ہوتا ہے۔

ہندومت (عقیدہ) میں تین بھگوانوں کا ذکر ملتا ہے جو براہما۔ دشنو اور شیوا ہیں۔

(۱) ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق بھگوان براہمانے یہ دنیا تخلیق کی ہے اور دینا کو چلانے کیلئے وہ اپنے اصولوں پرمبنی کتاب ہروقت اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے جبھی اس کا بت چار سروں پر مشتمل ہوتا ہے اور چار ہی ہاتھ رکھتا ہے تاکہ آفاق کے چاروں طرف ہمہ وقت اپنا کام کر سکے۔ چاروں ہاتھوں میں سے ایک میں وہ کتاب یعنی ''وید'' تھامے رکھتا ہے۔ بھگوان براہمانے دنیا تخلیق کر کے اپنی دیوی سرسوتی بھی ساتھ رکھی ہے دونوں پہاڑوں میں رہتے ہیں۔ دیوی فنون لطیفہ کی دیوی ہے۔جبھی ہندومت میں سنکھ بجانا۔ بھجن گانا اور دیگر موسیقی کا استعمال اُن کے عقیدہ کے عین مطابق جائز اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔

(۲) بھگوان دشنو۔ کائنات کی بقاء اور حفاظت کا دیوتا ہے اس کی دیوی لکشمی دولت اور حسن کی دیوی ہے۔ جو ہندو لوگ بھگوان دشنو کی پوجا کرتے ہین وہ اس عمل کا اظہار اپنے ماتھے پر گیرو سے موٹا الف بنا کر کرتے میں دیوی لکشمی کی پوجا گھر گھر ہوتی ہے۔ کیوں کہ دولت وحسن سب کو درکار ہے۔

(۳) بھگوان شیوا۔ یہ بھگوان دنیا کی بربادی کا دیوتا ہے اسے بعض موقعوں پرمہا کال بھی کہہ کر پکارا جاتا ہے کیونکہ مہا کال کا مطلب ہے تمام کائنات کو تباہ کرنے پر قادر بھگوان۔

پنڈت (ہندومت کو ماننے والے) آسمان پرچمکتی کڑکتی ہوئی بجلی کو دیکھ کر ہندوؤ کہتے ہیں کہ دیوتاؤں کی فوجیں آپس میں جنگ کر رہی ہوتی ہیں۔ کیونکہ سبھی بھگوانوں یعنی دیوتاؤن کی شادیاں بھی ہوئیں اور پھر ظاہر ہے اولادیں بھی تھیں اور پھر

اختلاف کے بعد ان اولادوں میں جنگیں بھی ہوتی ہیں۔ (یہ جنگیں، لڑائیاں، اختلاف اور فساد تو ہوگا کیونکہ دنیا کو کنٹرول کرنے والا واحد ولاشریک اللہ نہیں بلکہ بہت سارے حصہ دار ہیں۔)

ہندو عقیدہ کے مطابق جب دنیا میں ظلم بڑھ جاتا ہے تو وشنو بھگوان جو بقاء، تحفظ اور رحم کا دیوتا ہے اس ظلم کے سدباب کیلئے کسی ایک بھیس میں دنیا میں اترتا ہے بھگوانوں کے ایسے عمل کو اوتار کہا جاتا ہے۔

(۴) وشنو بھگوان جب رام چندر جی کی شکل میں اوتار بنکر آئے تو ہندو مذہب کی اہم اور مرکزی کتاب رامائن کے ہیرو بنے، وشنو چونکہ بہت نیک اطوار تھے لہذا اور کرداروں کے ظلم کا نشانہ بنے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی بیوی سیتا دیوی کو ساتھ لے کر جنگل میں (بن باس) رہائش اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔

جنگل میں بھی ان کا سامنا خونخوار شیطانوں سے ہوا جو وشنو کے ہاتھوں قتل ہوئے اس طرح شیطانوں کا سردار راجہ راون جو اس وقت سری لنکا کا حکمران تھا وشنو کا دشمن بن گیا، رام چندر جی (وشنو بھگوان) شکار کرنے کیلئے جنگل میں گئے تو راجہ راون اس کی بیوی ستیا کو اغوا کر کے کسی اُڑن کھٹولے پر بیٹھا کر سری لنکا لے گیا۔ تب ہنومان راجہ جو بندروں کا سردار تھا نے رام چیدر کے ساتھ ملکر سری لنکا پر یلغار بولی اور سیتا دیوی کو بازیاب کروایا۔ ہندو لوگ سیتا دیوی کی اس تاریخی واپسی کی یاد کو یوم ''دسہرا'' کیطور پر آج بھی مناتے ہیں۔

(رامائن پر تبصرہ کرتے ہوئے پنڈت نہرو نے لکھا تھا کہ یہ سب قصے کہانیاں فرضی اور من گھڑت ہیں)۔ ایک اور اوتار کرشن مہاراج کا ہے جس نے مہابھارت کی جنگ سے قبل بھاشن دیا تھا جو گیت کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں تقریباً 1700 اشعار ہیں۔ ہندو مذہب میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب گیتا ہے۔ جس کا مقصد چچازاد بھائیوں میں جنگ روکنا تھا۔ جو اٹھارہ 18 دن جاری رہی جس میں سارے مرد مارے گئے میدان مردوں سے خالی ہوگیا تھا کوئی وہاں پر سوائے عورتوں کے رونے والا بھی نہ تھا۔

(۵) مہاتما بدھ کو بھی ہندو ایک اوتار سمجھتے ہیں حالانکہ وہ ہندو نہیں ہندو شکن تھا مہاتما بدھ کی وفات کے ہزار سال بعد اوتار بنا دیا گیا جو یہ امر مجبوری بنایا گیا ہے کیونکہ

بدھ مت کی تعلیمات اخلاقیات پر مبنی ہیں نہ کہ غیر فطری۔

بدھ مت میں بت پرستی نہیں لیکن ہندوؤں نے مہاتما بدھ کے بت تراشے اور مندروں میں سجا دیئے سری لنکا، چین، برما، لاؤس تھائی لینڈ اور ویت نام میں بدھ مت پھیلا جہاں پر بودھی ایک فیصد سے بھی کم ملتے ہیں۔

ہندو عقیدے میں بھگوان اللہ تعالیٰ کے ہم معنی لفظ ہے۔ بھگوان زمانہ قدیم کا لفظ ہے جب انسان پتھر سے شکار کرتا تھا اور غاروں میں یا درختوں کے تنوں میں کھوکھلی جگہوں میں رہ کر زندگی گذارتا تھا۔ کسی بھی قبیلے کے جتنے افراد ہوتے وہ کسی نہ کسی طرح شکار کرتے کسی کو شکار مل جاتا کسی کے ہاتھ کچھ بھی نہیں لگتا تھا۔ قبیلے کے سب سے معتبر شخص کو شکار کا گوشت سب لوگوں میں درجہ بدرجہ تقسیم کرنے کا فرض سونپا جاتا تھا۔ ایسا شخص بھاگوان کہلواتا تھا کیونکہ وہ رزق تقسیم کرتا تھا۔ یہی فلسفہ آج بھی کئی تہذیبوں میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہندو عقیدہ بھی اسی فلسفہ کو تسلیم کرتے ہوئے انسانی مقدروں کی تقسیم کا اختیار رکھنے والا بھگوان کہلاتا ہے۔ ہندوستان۔ بنگلہ دیش۔ برما۔ پاکستان کے کئی علاقوں میں گھریلو خاتون کو جو کھانا پکانے اور تقسیم کرنے کا اختیار رکھتی ہے آج بھی ''بھاگ وان'' کہلواتی ہے۔

ہندوازم کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ سنسکرت میں لکھی ہوئی ویدوں میں حضرت محمدؐ کے اس دنیا میں نزول ہونے کی پیش گوئیاں کی گئی تھیں۔ مثلاً رگ وید میں 16 دفعہ۔ یجر وید میں 10 جگہ۔ اتھر وید میں 4 دفعہ اور سام وید میں ایک جگہ یعنی کل 31 دفعہ (حضرت محمدؐ کا) نراشنس کا ذکر ملتا ہے۔ پنڈت وید پرکاش سنسکرت کے ایم۔ اے ہیں اور جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی لے چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب کلکی (KILKI) اوتار اور محمدؐ (حال طبع ڈاکٹر اظہر وحید B-106 گرین و یو سوسائٹی شیخوپورہ روڈ لاہور) لکھی۔ وہ کہتے ہیں کہ چوبیسویں اور آخری اوتار جن کا ہندو انتظار کر رہے وہ محمدؐ ہی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ کلکی اوتار بھی محمدؐ کی جائے پیدائش کا نام شنبھل گرام بھی امن کا شہر ہوگا۔ وہ جگت گرو اور پربتی ناتھ (پوری دنیا کے لئے رحمت) اور فخر انسانیت ہوگا۔ اس کی والدہ کا نام سوم وتی یا سومتی ہوگا جس کے معنی امن والی ہوگا۔ اس کے والد کا نام وشنو ویش یعنی (عبداللہ) اللہ کا بندہ ہوگا۔ وہ انتم اوتار یعنی

آخری گروہوگا۔ کلکی اوتار کا زمانہ تلوار سے جنگ اور گھوڑوں کی سواری کا زمانہ ہوگا۔ وہ شو (گھوڑا) اور کھڑک (تلوار) استعمال کرے گا۔ یہ حقیقت تو ہندوازم کے بنیادی عقائد مین درج ہے۔ یہ الگ بات ہے وہ اس حقیقت کو تعصب کی نظر سے دیکھنے کی وجہ سے حق سے دور

ہیں۔ یہی ایک حق اور سچ ہے کہ ہدایت صرف اللہ تعالیٰ کیطرف سے ملتی ہے اور ان کو ملتی ہے جو ہدایت کے طالب ہوتے ہیں اور اللہ سے ہدایت مانگتے ہیں۔

گفتگو

ایک بزرگ کے نماز پڑھتے ہوئے پاؤں پر گھٹے پڑ گئے ۔ پھر انہوں نے جرابیں پہننا شروع کر دیں جب ان سے پوچھا گیا تو فرمانے لگے رکوع کی حالت میں انہیں گھٹے دیکھ کر گویا تکبر کی سی کیفیت محسوس ہوتی تھی ۔ ایسی کیفیت سے بچنے کیلئے ایسا کرتا ہوں وہ کہتے ہیں

حجرے میں صبح معمولات سے فارغ ہو کر والدین سے ملاقات کرو۔
''ان کی خیریت دریافت کرو اور اپنے دن کی مصروفیات کا ذکر کرنے کیساتھ ساتھ اجازت چاہو۔''

بچوں کی مصروفیات میں ممکنہ حد تک ان کی مدد اور راہنمائی کریں ۔ پھر اہلیہ سے گھریلو مسائل پر بات چیت کرنے کے بعد اپنے تجارتی شغل، ملازمت کی ذمہ داریوں یا محنت مزدوری کی خاطر گھر سے روانہ ہوں ۔ اور اللہ کا فضل مانگو۔

۴۔ گھر سے نکلتے وقت الحمد الله پھر جیسی ''الله لا الا الا هو عليه توكلتو و هورب العرش العظيم کہہ کر اپنے دن کا آغاز کریں ۔ کام شروع کرتے وقت حسبی الله ونعم الوكيل وظیفہ پڑھ کر کام کو ہاتھ لگائیں ۔

۵۔ ہر وقت تسبیح میں رہیں ۔ مثلاً سبحان اللہ ۔ درود شریف ۔ شکر اللہ یا استغفار کرنے میں مشغول رہیں ۔ مگر اس طرح کہ ہونٹ نہ ہلیں ۔ لوگوں کو معلوم نہ ہونے پائے کہ آپ کوئی وظیفہ یا درود پڑھ رہے ہیں ۔

۶۔ ملازمت میں ہونے کی صورت میں ملازمت کے سارے قوائد و ضوابط سے خود کو مکمل طور پر آگاہ کریں ۔ تاکہ ایک اچھے اور قابل اہلکار کی شہرت حاصل ہو ۔ ایسا کرنے سے طالبان تصوّف پر اور ارد گرد ایک اچھا معاشرتی اثر قائم ہوگا ۔ کاروبار کرنے کی شکل میں اپنے بنائے ہوئے اصولوں پر مکمل عمل

درآمد کریں۔ مثلاً صحیح چیز بیچنا۔ جائز قیمت اور گاہک سے خوش اخلاقی سے پیش آنا وغیرہ آپ کے بنیادی اصولوں میں سے ہونا چاہییں۔

۷۔ محنت و مزدوری کرنے کی شکل میں سونپے گئے کام کو مکمل ایمانداری سے انجام دیں خواہ اس میں بظاہر نقصان ہی کیوں نہ ہوتا نظر آئے اور آپ کو دشواری۔

۸۔ دفتر میں اپنے اختیارات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سونپی گئی امانت جانیں جو حق داروں کو یعنی سائلین کو لوٹا دیں۔ وہ ترش رویہ بھی رکھیں تب بھی آپ تحمل سے اپنا نقطہ نظر بیان کریں۔

۹۔ محکمہ میں آپ کی شہرت ایک ایماندار۔ پابند اصول و وقت اور صلح جو کارکن کی ہونی چاہئے کیونکہ معاشرے میں سے فساد کو مٹانے کیلئے آپ نے جو عملی زندگی اپنا رکھی ہے دوسروں کیلئے قابل فخر وتقلید ہونا چاہیئے۔

۱۰۔ کام سے واپس گھر آنے پر خوش خوش گھر میں داخل ہوں بے شک یہ خوشگوار موڈ مصنوعی ہی کیوں نہ بنانا پڑے۔ اسلئے کہ گھر کے سارے افراد کی خوشیاں آپ کی اکیلی ذات سے اٹھتی ہیں۔ والدین، بیوی، بچے آپ کو افسردہ دیکھ کر خواہ مخواہ افسردگی اختیار کر لیں گے۔ اسلئے ان سب کو اپنے رویہ سے خوش رکھو۔

۱۱۔ گھر میں داخل ہونے پر سب سے پہلے اگر والدین ہوں تو انہیں ملو یا پھر گھر میں اگر کوئی مریض ہو تو اس کے پاس سب سے پہلے جائیں بصورت دیگر سب سے چھوٹے بچے کو بلائیں۔

۱۲۔ اہلیہ سے کبھی کھانا لانے کا تقاضہ نہ کریں۔ کھانا تیار ہونے کیصرت میں وہ خود ہی یا تو پیش کر دے گی یا پوچھ لے گی۔ کھانا جیسا کیسا بھی آئے اسے کھانے سے انکار نہ کریں بلکہ معمول کے مطابق **وللہ خیر الرازقین شکر الحمد اللہ رب العالمین** کہہ کر کھانا شروع کریں۔

۱۳۔ کام سے واپسی پر تھوڑا آرام کرنا یعنی نیند کرنا معمولات میں شامل کریں اس سے فرمان خداوندی کے مطابق انسان پھر سے تازہ دم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اونگھ طاری کر کے انہیں جہاد کرنے کیلئے تازہ دم کر دیا تھا۔ ہاں معاشرتی یا ثقافتی یا گھریلو مصروفیات ہوں تو بات الگ ہے۔

۱۴۔ اہلیہ سے دفتر میں پیش آنے والے کسی بھی ناخوشگوار واقعہ کا ذکر نہ کریں۔ ہاں اچھی باتیں سنا کر انہیں خوش رہنے کا سامان مہیا کریں۔ ایسا کرنے سے گھر بھر میں خوشگوار ماحول بنا رہے گا۔

۱۵۔ نماز عصر کی ادائیگی کے بعد تلاوت قرآن پاک اپنے معمول میں شامل کر لیں۔ تلاوت شروع کرنے سے پہلے تین یا پانچ دفعہ آیت الکرسی پڑھیں آیت الکرسی کا ترجمہ ضرور یاد کریں اور ہر وقت ذہن میں رکھیں پھر سورۃ یٰسین ضرور پڑھیں قرآن تلاوت فرمائیں اس کا ترجمہ ضرور پڑھیں اور اگر وقت ہو تو اس حصہ قرآن کی شان نزول اور حضور اکرمؐ کا اس پر بیان یعنی تفسیر بھی پڑھیں۔

۱۶۔ ایسا کرنے کے بعد دعائے خیر کریں۔ اپنے محتاج ہونے اور اللہ کے بے نیاز ہونے کے ذکر کے بعد اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اللہ کی پناہ میں رہنے کا عہد کریں اور پھر سب سے پہلے اپنے والدین اور دیگر اقرباء کی مغفرت طلب کریں اور اگر والدین زندہ ہوں تو ان کی خدمت کی توفیق مانگیں۔ پھر اپنے بیوی بچوں، بہن، بھائیوں اور دوست احباب کیلئے اللہ سے خیر مانگیں۔ دنیا کے مسائل اور مصائب سے نجات مانگیں۔ بالخصوص ان دوستوں کیلئے اللہ سے خیر طلب کریں جنہوں نے آپ کو دعا کرنے کی درخواست کی ہو یا ویسے ہی کہہ دیا ہو کیونکہ ان کی یہ درخواست ایک قسم کی امانت ہے اسے ضرور اللہ تعالیٰ تک پہنچائیں۔ دعائیں کرتے وقت جتنا عجز اور رقت اپنے اوپر طاری کر سکتے ہیں کریں۔ یہ عجز آپ کو بندگی کی اصل لذت سے آشنا کر دے گا۔

۱۷۔ اپنے بچوں کی تعلیمی کوششوں کا جائزہ لیں اور انہیں راہنمائی فرمائیں کہ انہیں کسطرح کی زندگی گزارنا ہے۔

۱۸۔ دینی تعلیم کے سلسلے میں یا تذکرہ تصوّف کی غرض سے آنے والے حضرات کو ہمیشہ بعد از عصر کا وقت دیں اور اگر آپ کو کسی کے پاس اس سلسلے میں جانا ہو تو یہی وقت طلب کریں۔ عصر اور مغرب کے درمیاں کا وقت دعاؤں کے قبول ہونے کا وقت ہے۔ تعلیم فقر و تصوف کیلئے اصغیاء کا یہی معمول رہا ہے۔

۱۹۔ مغرب کی نماز کے بعد اپنے حجرے میں بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے اس صورت حال کا تصور کریں جس کا ذکر سورۃ نحل میں کیا گیا ہے۔ حشر کا میدان ہے ہر سو افراتفری ہے ماسوائے ان اللہ کے بندوں کے جو عالم موجودات کی زندگی میں اپنے رب کیساتھ جئے تھے۔ فرشتے اپنے اپنے ذمہ کام کو انجام دے رہے ہیں۔ کفر و شرک اور تکبر زدہ لوگ بدحواسی کے عالم میں کسی خیر خواہ کی تلاش میں ہیں وہ انہیں مل نہیں رہا تو وہ گلا کرنے اپنے ان گمراہ ساتھیوں کے پاس یہ کہتے ہوئے ملتے ہیں کہ تم خود بھی گمراہ تھے اور ہمیں بھی ساتھ لے ڈوبے ہو۔ شیطان بھی ان کے منہ پر کہتا ہوا گزرتا ہے کہ میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا تم تو خود ہی ایسی بے راہ روی کی تلاش میں تھے۔ میں نے تو صرف آپ کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ اللہ ہی کا حکم سچا تھا۔

۲۰۔ مراقبہ سے فارغ ہو کر اللہ کے حضور دو رکعت نفل شکرانہ ادا کریں۔ کہ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ مجھے راہ ہدایت دکھائی اور توفیق بخشی کہ میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کیساتھ ساتھ تیری نعمتوں کا شکر ادا کروں۔ اے میرے اللہ مجھے راہ ہدایت بخش کر کج رونہ کرنا۔

۲۱۔ مذکورہ مراقبہ جاری رکھنے کے کچھ عرصہ بعد آپ اپنے سامنے واقعتاً ایک میدان دیکھیں گے۔ پھر کھلی آنکھوں کیساتھ بھی آپ ایک نقشے میں ابھار سکتے ہیں۔ شروع شروع میں یہ میدان سیاہ نظر آئیگا پھر مٹیالے رنگ کا پھر ہلکا نیلا پھر سفید سے سفید تر ہوتا چلا جائیگا۔

۲۲۔ کوشش کر کے عشاء کی نماز دیر سے پڑھیں اور ہو سکے تو اندھیرے کمرے میں پڑھیں۔ جب آپ وتر نماز پڑھ رہے ہوں تو ایسا جانیں کہ منبر پر اللہ تعالیٰ جلوہ فرما ہے اور آپ اس کے سامنے پیشی بھگت رہے ہیں جہاں صرف آپ اعتراف گناہ کیلئے پیش ہو کر معافی کے خواستگار ہیں نہ کہ آپ کوئی صفائی پیش کر رہے ہیں۔ گویا یہ آخری موقع ہے اللہ سے ملنے کا اسطرح معافی مانگتے ہوئے اپنی بساط بھر گڑگڑا کر اللہ سے نجات طلب کریں۔ تھوڑے عرصہ کے بعد آپ مشاہدہ کریں گے کہ نماز کے الفاظ آپ بھول جائیں گے رو برو گفتگو کا سا سماں مندھنا شروع ہو جائیگا۔ اور ایک وقت آئے گا آپ اپنی ہستی۔ کمرہ وقت نماز اور غیر اللہ سے یکسر نیاز ہو جائیں گے اسوقت آپ کو اگر بھڑ، بچھو، چیونٹی وغیرہ بھی کاٹیں گے تو آپ پر کچھ اثر نہیں ہو گا جب تک عالم ہوش میں واپس نہیں آئیں گے۔ آپ کی آنکھیں خود بخود بند ہونا شروع ہوں گی اور آپ اس عالم میں ہی رہ کر سرور و مستی پائیں گے۔

۲۳۔ ایسی حالت سے فراغت کے بعد آرام فرمائیں آپ خود بخود ایک وقت پر جاگ جائیں گے۔ اس وقت خود سے سوال کریں کہ میں اُٹھ کر نماز پڑھوں تو کس کی نماز پڑھوں۔ اور کیوں پڑھوں۔ تب آپ کو خود سے جواب ملنا شروع ہو جائے گا۔ ہر جواب آپ کا قلب دے گا جو ساری روحانی سوچوں کا منبہ ہے۔ پھر اس تاریکی اور تنہائی میں خود سے باتیں کریں۔ خود ہی سے سوال کریں۔ تب جواب ملنے شروع ہوں گے۔ کہ یہ نماز یہ مراقبے یہ ذکر وفکر اور شکر اسلئے نہیں ہیں کہ کسی صلے کی طلب ہے بلکہ میں تو پیدا ہی اسلئے کیا گیا ہوں کہ میں ایسا کروں۔ **وما خلقا الانسان و جن الایعبدون** لہذا میں بھی دوسری مخلوق کیطرح بس اپنے کام میں مصروف ہوں عبادت میں نہیں کیوں کہ نفع کی خواہش کیساتھ کی جانے والی عبادت عبادت کم سوداگری زیادہ ہے۔

۲۴۔ اپنے بستر کو جو کم سے کم آرام دہ ہو۔ مثلاً چادر۔ چٹائی۔ ٹاٹ کا ٹکڑا وغیرہ وغیرہ شمالاً جنوباً بچھائیں سوتے وقت دائیں رخ دائیاں ہاتھ سر کے نیچے۔

ٹانگیں اکھٹی کرتے ہوئے پاؤں پیچھے کو ایسے رکھیں کہ فضا سے دیکھنے والے شخص کو آپ سوتے ہوئے ایسے نظر آئیں جسطرح محمد لکھ دیا گیا ہو۔

۲۵۔ سونے سے پہلے سورۃ فاتحہ، سورۃ اخلاص پڑھیں۔ پھر درود شریف اور دعائے خیر۔ بعد میں دل ہی دل میں **رب اغفرو ارحم**

**انشا خیرلراحم الرحیمین** پڑھتے پڑھتے سو جائیں۔ یہ عمل کرتے رہنے سے کچھ عرصہ بعد آپ کو احساس ہوگا کہ سوتے ہوئے بھی آپ استغفار کر رہے ہوتے ہیں۔ یہی قلب کا جاری ہونا کہلاتا ہے۔

## دیگر معمولات:۔

کوشش کریں کہ آپ کے کھانے میں سے کوئی اجنبی بھی کھانا کھانے میں شامل ہو یا کسی ضرورت مند کو خود بھجوا دیں۔

خود لوگوں سے تو سنجیدہ مزاجی سے ملیں لیکن جب اجنبی آپ سے ملے تو خندہ پیشانی سے پیش آئیں۔ مقدور بھر کوشش کریں کہ آپ لوگوں سے اپنی ضرورتوں کیلئے سوال نہ کریں۔ جو لوگ آپ سے سوال کریں تو بساط بھر کوشش کریں کہ اس کی مدد ہو جائے اور وہ لوگ پریشان نہ رہیں۔ جن لوگون کی آپ مالی مدد کریں یا کسی پریشانی سے نجات کا سبب بنیں تو کوشش کریں کہ پھر آپ ان کے سامنے کم سے کم آئیں بصورت دیگر آپ میں تکبر پہلے جنم لے گا پھر آپ کے اندر تکبر گھر کر جائے گا۔ اسی لئے اصفیاء کا معمول ہے کہ اپنی عنایتیں اجنبی لوگوں پر زیادہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی اپنوں میں سے اس گروہ میں شامل ہو یعنی آپ سے کوئی مالی فائدہ اٹھا چکا ہو تو فقراء و اصفیاء اس کے سامنے آنے پر مصنوعی اجنبیت طاری کر لیتے ہیں جیسے وہ انہیں نہیں جانتے۔ تاکہ ان کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔

پہلے سے انجام پائی عبادت۔ شکر۔ اچھائی۔ صدقہ و خیرات سب کو بھول جاؤ آئندہ کا اہتمام کر کے رکھو۔

رزق نہ ملے اور اگر شکر وصبر کرنا بھول جاؤ تو بھی فکر مندمت ہوں۔ ہاں رزق اور آرام ملنے اپنے رب کا جس قدر شکر کر سکو کرو۔ اللہ کی نعمتوں پر شکرانے کے آنسو بہا سکو تو یہ تمارے حق میں بہتر ہے۔

کوشش کرو کہ اپنے کسی عمل میں کسی کو گواہ نہ بناؤ کیونکہ دنیائے فقر مین اللہ ہی سب سے بڑا گواہ ہے۔ جو ہر جگہ ہر وقت۔ ہر حال میں آپ کے ساتھ موجود ہے۔

مہینے میں کم از کم تین روزے رکھو۔ روزہ شہوات انسانی کو ختم کر کے روحانی جذبوں کو نکھار بخشتا ہے۔ سحری کا اہتمام ضرور کرو۔ مگر افطاری کا اہتمام نہ کریں اس طرح روزے کی صحیح لذت پاؤ گے۔ کھانا زمین پر بیٹھ کر کھائیں۔ کرسیوں سے پرہیز کریں۔

جب معاشی یا ثقافتی تنگ دستی کا شکار ہونے پر دل کو ٹھیس پہنچے تو فوراً نماز پڑھو ایسا کرنے سے نہ صرف دل کو سکون ملے گا بلکہ اللہ تعالیٰ وہ مسئلہ بھی حل کر دے گا۔

لباس سادہ اور کھلا کھلا پہنو۔ گوٹا کناری اور شوخ رنگوں والے لباس سے اجتناب کریں۔ فقیر کے کپڑوں کو کلف تو ہرگز نہیں لگانا چاہیے۔ کیونکہ یہ تکبر کو جنم دیتا ہے۔

چلتے ہوئے خاموشی سے لا الا الا للہ پڑھتے رہو۔

بحث میں نہ پڑھو۔ کسی مسلہ پر صرف اپنا خیال بیان ضرور کرو۔ پھر سنتے رہو۔

کوشش کرو کہ آپ کی محفل میں غیر سنجیدہ لوگ بااثر نہ ہونے پائیں۔ یہ غیر سنجیدہ لوگ آپ کو کہیں کا نہ رہنے دیں گے۔

یہ غیر سنجیدہ لوگ وہ ہیں جو ہر بات کو جگت بازی یا فقرہ بازی میں بدل لیتے ہیں۔ یہ نہ بھولو کہ ان لوگوں کے بارے ایک صوفی شاعر نے کہا ہے۔ ''شیطان ہے پیر'' جب ان لوگوں کا اثر بڑھ جائے گا تو روحانیت کوچ کر جائے گی اور تم لذت جہاں میں کھو جاؤ گے اور روحانی محفل ویران ہو جائے گی۔

گذشتہ کل اور آئندہ کل سے بے نیاز ہو کر جیو کیونکہ گذارا ہوا کل آئے گا نہیں اور آئندہ کل شاید آپ دیکھیں ہی نا لہذا تمہارا آج ہی سب کچھ ہے۔ اسی مفہوم کو اصفیاء اکرام صاحب حال ہونا کہتے ہیں۔

جمعرات کی شب بعد از نماز مغرب قبلہ رو بیٹھ کر خصوصی ختم شریف پڑھیں ۔
دوسرے دنوں میں عصر کے بعد ختم شریف پڑھیں ۔
سب سے پہلے سورۃ القارعہ پڑھیں پھر سورہ التکاثر پھر سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 194-190 پھر چاروں قل شریف پھر سورۃ فاتحہ پھر ال م سے لیکر مفلحون تک ۔
پھر تین دفعہ درود شریف ابراھیمی پھر درود تاج پھر آخر میں سورۃ الماعون پڑھیں پھر دعائے خیر پڑھیں اور ختم شریف پر رکھی ہوئی اشیاء یعنی تبرک جتنے زیادہ لوگوں میں بانٹ سکیں بانٹ دیں ۔
حقوق العباد کی ادائیگی کیلئے ان صوفیوں جیسا تقویٰ اختیار کریں جو سوکھ تک بھی کسی درخت سے اس وقت تک نہیں کاٹتے تھے جب تک وہ مالک درخت سے اجازت نہیں لے لیتے تھے ۔ ایک اور صوفی اپنے گیلے کپڑے سکھانے کیلئے گھاس پر اس لئے نہ ڈالتے تھے کہ انہیں کوئی حق حاصل نہیں کہ گھاس کو سورج کی دھوپ اور روشنی سے محروم کر دیں ۔
آپ کے زیر اثر و اختیار گھر کے سارے افراد آپ سے درجہ بدرجہ محبت کے حق دار ہیں انہیں محبت پیار بانٹنا آپ کا فرض ہے جو بلا کسی تعصب کے انہیں ملنا چاہیے ۔ یاد رکھیں
جو شخص اہل خانہ کے ساتھ محبت و پیار سے پیش نہیں آتا وہ کسی سے بھی محبت نہیں کر سکتا ۔ غیروں سے جو محبت وہ کر رہا ہوتا ہے وہ تحت الشعور میں بیٹھی ہوئی ایک نفس پرستی ہوتی ہے محبت نہیں ۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کا پھل پانے کیلئے اپنے اہل خانہ سے محبت ضروری ہے ۔
جہاں تک ممکن ہو اللہ کی راہ میں سفر ضرور کریں ۔ سفر میں مناظر قدرت دیکھیں اور ان پر غور کریں ۔ آپ کا یہ غور و فکر ذکر اللہ ہوگا اور فکر کے نتیجے میں دل سے کیا جانے والا شکر ۔ شکر اللہ ہوگا ۔ اگر آپ سواری پر ہیں تو پیدل چلنے والوں پر غور کریں ۔ اگر آپ پیدل ہیں تو معذور لوگوں کا سوچیں اگر آپ خوبصورت منظر دیکھ سکتے ہیں تو نابیناؤں کا سوچیں اور ٹھٹھرا دینے والی سردی میں سفر کر رہے ہیں تو گرم محلوں میں سونے والوں کے آرام کا سوچیں ۔ سفر میں اس طرح کا موازنہ اپ کو فقر کی راہ مستقیم پر رکھنے کا سبب بنے گا ۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے جئیں گے جس نے آپکو بے شمار نعمتوں سے نواز رکھا ہے ۔ تکبر سے بچنا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہنا ہی راہ سلوک کی پہلی سیڑھی اور آخری منزل ہے ۔

نگاہ کم سے نہ دیکھ اس کی بے کلاہی کو
یہ بے کلاہ ہے سرمایہ کلاہ داری

(علامہ اقبالؒ)

# حوالہ جات

قرآن پاک اور مختلف مفسروں کی تفسیریں

۱۔ قاموس القرآن تالیف (قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی)

۲۔ پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں (ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی)

۳۔ مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات کے تناظر میں (یونس خان ایڈوکیٹ)

۴۔ منہاج العابدین حجۃ الاسلام امام ابوحامد الغزالی مترجم مولانا محمد ایاز اقبال

۵۔ تاریخ تصوف (پروفیسر یوسف سلیم چشتی)

۶۔ فصوص الحکم (ابنِ عربی) (مترجم مولانا مولوی حافظ محمد برکت اللہ صاحب)

۷۔ انسان کامل (سید میراں)

۸۔ کیمیائے سعادت (امام غزالی)

۹۔ غنیت الطالبین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی

۱۰۔ قوت القلوب سید ابوطالب المکی

۱۱۔ تشبیہاتِ رومی ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

۱۲۔ رومی موسیٰ خان جلال زئی

۱۳۔ کشف المحجوب حضرت علی ہجویری گنج بخش

## مُصنف کا تعارف:

شہزاد منیر احمد ولد چوہدری ماڑو خان

### پیدائش:

وادی جموں و کشمیر (مقبوضہ)

### تعلیم:

ایم اے بین الاقوامی تعلقات

### پیشہ:

پاک فضائیہ

### مُصنف کی دیگر تصانیف:

- پاکستان کے درویش قبائل
- سوئے دانش
- زندہ آنکھیں مردہ خواب (زیر طبع)

قلات پبلشرز

Ph:081-2827252

ایوانِ اشاعت رستم جی لین جناح روڈ کوئٹہ